مدیر مسئول
اصغرعلی امام مہدی سلفی
مدیر
مولانا محمد خورشید عالم
مدیر اعزازی: مولانا رضاء اللہ عبدالکریم مدنی
مجلس ادارت
مولانا محفوظ الرحمٰن فیضی مولانا شہاب الدین مدنی ڈاکٹر سعید احمد مدنی
مولانا اسعد اعظمی مولانا طہٰ سعید خالد مدنی مولانا انصار زبیر محمدی

اس شمارے میں

درس حدیث ٢
اداریہ ٣
ماہ محرم اور ہجرت ٧
کامیاب معلم کے اوصاف اور تدریس کے سنہرے اصول ١١
باطل طریقے سے لوگوں کا مال کھانا، خطرناکیاں، شکلیں... ١٤
کیا اجنبی مردوں کے سامنے عورت کی آواز پردہ ہے؟ ١٧
گرمی اور جہنم کا عذاب ١٩
میاں سید نذیر حسین محدث دہلوی کے شاگردوں کی دعوتی خدمات ٢٢
جماعتی خبریں ٣٠
اپیل ٣٢

مضمون نگار کی رائے سے ادارہ کا متفق ہونا ضروری نہیں ہے

بدلِ اشتراک
سالانہ ____ ١٥٠/روپے
فی شمارہ ____ ٧/روپے
پاکستان ____ ٥٠٠/روپے
بلاد عربیہ و دیگر ممالک سے ٣٥ ڈالر یا اس کے مساوی
مرکزی جمعیت اہل حدیث ہند

اہل حدیث منزل ٤١١٦، اردو بازار، جامع مسجد، دہلی۔ ١١٠٠٠٦
ویب سائٹ www.ahlehadees.org
ترجمان ای میل jaridahtarjuman@gmail.com
جمعیت ای میل jamiatahlehadeeshind@hotmail.com

ہمارا دشمن کون

دوست کو دوست سمجھنا اور دشمن کو دشمن گرداننا ضروری ہے۔اس حقیقت کو سب مانتے ہیں اور اس کی تمیز عین عقلمندی کہلاتی ہے۔مگر دوست ہے کون اور دشمن ہے کون؟ اس کی پہچان بہت سے عقلمندوں کو بھی نہیں ہوتی ہے۔معاملہ یہیں سے خراب ہونے لگتا ہے اور بربادی یہیں سے شروع ہوجاتی ہے۔ایک تو ویسے بھی دوستی نبھانا اور دشمنی کرنا کوئی آسان کام نہیں ہے۔اس کے لیے بھی دل وجان سے لگنا پڑتا ہے۔دوستی کا حق ادا کرنا خود اچھے انسان کی علامت اور ایمانداروں کا کام ہے۔اسی طرح دشمن کو پہچان کر اس کے شر سے بچنا اور اس کے دام فریب میں آنے سے خود کو بچالینا ہی عقلمندی ہے۔

تو آیئے سب سے پہلے ہم پتہ کرتے ہیں کہ دشمن کون ہے اور دوست کون ہے؟

ارشاد باری تعالیٰ ہے ”إِنَّ الشَّيْطَانَ لَكُمْ عَدُوٌّ فَاتَّخِذُوهُ عَدُوًّا“ (فاطر:٦) ”شیطان تمہارا اصلی دشمن ہے۔اس سے دشمنی کرو“۔

یہ دشمنی اور عداوت اول دن سے ہے۔اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے: ”قَالَ اهْبِطُوا بَعْضُكُمْ لِبَعْضٍ عَدُوٌّ وَلَكُمْ فِي الْأَرْضِ مُسْتَقَرٌّ وَمَتَاعٌ إِلَى حِينٍ“ (الاعراف:٢٤) ”حق تعالیٰ نے فرمایا کہ نیچے ایسی حالت میں جاؤ کہ تم باہم ایک دوسرے کے دشمن ہوگئے اور تمہارے واسطے زمین میں رہنے کی جگہ ہے اور نفع حاصل کرنا ہے ایک وقت تک“۔

سب کو اللہ تعالیٰ نے زمین پر بھیج کر بتادیا کہ شیطان انسان کا دشمن ہے۔ ابلیس اور اس کی ذریت آدم اور ان کی تمام اولاد کی دشمن ہے اور یہ قیامت تک کے لیے ہے۔سارے انسانوں کے باپ اور جد امجد آدم علیہ الصلوۃ والسلام کو اللہ تعالیٰ نے اپنی خاص حکمت اور اہتمام و اکرام کے ساتھ اپنے ہاتھ سے پیدا فرمایا تو اسے علم سے سرفراز فرما کر بلند ترین مخلوق قرار دیا اور فرشتوں کو حکم دیا کہ سجدہ کریں۔فرشتے جو اپنی بلندی درجات میں اعلیٰ مقام رکھتے ہیں، نے سجدہ کرلیا، مگر جناتوں میں سے ایک فرد ابلیس جو بہت پہنچا ہوا تھا اور جو فرشتوں کی صحبت میں رہ کر الٰہی کی صف میں کھڑا ہونے کا اہل ہوگیا تھا اور جسے بھی فرشتوں کے ساتھ سجدہ کرنے کا حکم ہوا تھا، اس نے تکبر سے کام لیا اور نص قطعی پر عقلی دلیل پھیرنے لگا کہ اللہ تعالیٰ نے مجھے آگ سے پیدا فرمایا اور آدم کو مٹی سے پیدا کیا۔

تو بھلا بھڑکنے والی اور بلند ہونے والی آگ کے سامنے، مٹی جو نیچے گر کر مٹتی ہی نہیں بلکہ روندی بھی جاتی ہے، کی کیا نسبت ہے؟ ہم اس سے بہت بہتر ہیں۔ اللہ تعالیٰ کے حکم کے بعد بھی جب کوئی عقلی گھوڑے دوڑانے لگے تو پھر بگاڑ پیدا ہونے لگتا ہے اور معاملہ سنگین سے سنگین ترین ہونے لگتا ہے۔ چنانچہ شیطان کو اس کی منہ مانگی چھوٹ دی گئی کہ وہ آدم علیہ السلام اور ان کی اولاد کو قیامت تک دشمن بنا کر رکھے گا اور ان سے دشمنی سادھنے اور ان کو گمراہ اور ہلاک کرنے کا کوئی دقیقہ فروگزاشت نہیں کرے گا۔ وہ آج تک یہی کرتا آرہا ہے۔ مگر انسان جسے اللہ تعالیٰ نے اتنا بڑا مقام عطا فرمایا تھا، اس نے شیطان کو بھول کو انسان ہی کو دشمن بنالیا۔ آپسی دشمنی کے جتنے طریقے ہوسکتے تھے جیسے: تکبر، عناد، حسد، بغض، کینہ، نفاق، دھوکہ دھڑی، چوری چماری، قتل، غارت گری، بدکاری وعیاشی اور زناکاری بلکہ اس سے بھی زیادہ بھاری گناہ کا ارتکاب کرنے لگا۔ شراب، نشہ، جوا اور قمار جو دشمنی اور عداوت ونفرت کے خاص اسباب اور وجوہات بنتے ہیں ان سب کا خوگر ہونے لگا۔ اور اصل دشمن کو بھول کر جن سے مل کر اور جن کا ناصح و خیرخواہ بن کر، جن کی غلطیوں کو نظر انداز کر کے، جن کی کج ادائیوں سے صرف نظر کر کے، جن کے ظلم وستم کو سہہ کر، جن کی زیادتیوں اور برائیوں کو برداشت کر کے ان کے ساتھ آخری حد تک حسن سلوک سے پیش آکر ان کو اپنانے اور اللہ تعالیٰ کی طرف جن کے لوٹ آنے کی کوشش کرنی تھی۔ حتی کہ اگر وہ ان سے کہتا کہ میں تم کو قتل کردوں گا تو وہ کہتے کہ نہیں ایسا نہیں ہونا چاہئے اور اگر تم اس پر آمادہ ہی ہو تو تمہارے اس اتاؤلے پن کا جواب یہ ہے کہ میں تمہاری طرف ادنیٰ دست درازی بھی نہیں کروں گا۔ ''مَا أَنَا بِبَاسِطٍ يَدِيَ إِلَيْكَ لِأَقْتُلَكَ '' (مائدہ:۲۸) ''تو تو میرے قتل کے لیے دست درازی کرے لیکن میں تیرے قتل کی طرف ہرگز اپنے ہاتھ نہ بڑھاؤں گا''۔

ہاں اگر حسد کا معاملہ ہے، نیچا دکھانے کی بات ہے، سرخرو ہونے کی بات ہے، سربلند ہونے کی بات ہے جسے تم مجھے مارے بغیر حاصل نہیں کرسکتے تو جو من میں آئے کرلو، مگر جان لو تم اپنے اس مقصد میں کامیاب نہیں ہوسکتے۔ ''إِنَّمَا يَتَقَبَّلُ اللَّهُ مِنَ الْمُتَّقِينَ'' (مائدہ:۲۷) ''اللہ تعالیٰ تقویٰ والوں کا ہی عمل قبول کرتا ہے''۔

حقوق اللہ وحقوق العباد کو ادا کئے بغیر رشتہ وناطہ کو توڑ کر، انسانیت کو بھلا کر اور نفسانیت پر چل کر کبھی کوئی کامیاب اور کامران نہیں ہوا۔ اس لیے میں ایسی زیادتی اور انسان دشمنی کا مرتکب نہیں ہوسکتا۔

یہ عجیب بات ہے کہ جس شیطان ابلیس اور اس کی ذریت کو ہمیشہ دشمن بنا کر چلنا تھا اب اسی کو انسان نے اپنا دوست بنالیا، بلکہ جس کی قدم قدم پر نافرمانی کرنے اور اس سے روگردانی اور دوری بنانے کی تاکید تھی انسان نے اسی کو اپنا مطاع بنالیا۔ جس انسان کو دشمنی شیطان سے کرنی تھی اب وہ آدمی شیطان کی اطاعت وخوشنودی حاصل کرنے میں لگا ہوا ہے۔ اپنے جیسے انسانوں بلکہ بھائیوں کو ہی دشمن بنادیا ہے۔ یہ سراسر شیطانی ایجنڈا ہے۔ جسے شیطان انسان پر چلاتا ہے، پھر دھوکہ دے کر الٹے انسان کو چڑھاتا اور قصوروار ٹھہراتا ہے۔ چنانچہ آئے دن یہ بات مشاہدے میں آتی ہے کہ بھائی بھائی کا دشمن بن گیا ہے۔ داعی داعی کا دشمن بنا ہوا ہے، مبلغ مبلغ کا دشمن ہے، کافر مسلم کا دشمن ہے۔ مسلم کافر کو انسان سمجھنے کے لیے تیار نہیں چہ جائیکہ وہ اپنے رب کی رضا کے لیے اس کی خیر خواہی کا دم بھرتا، اس کی محبت ونصح کے لیے کام کرتا، اس کو راہ راست پر لانے کے لیے سب کچھ کرتا اور اسی غم میں ہلکان ہوتا رہتا ہے اور اس سلسلہ میں اپنے آخری سب سے افضل اور خیر خلق اللہ محمد رسول اللہ ﷺ کے اسوہ کو اپناتا جس کا وہ مکلّف بھی ہے اور امتی بھی۔ جب انہوں نے شیطانی عمل کرنے والے طائف کے ظالموں کے لیے دست دعا دراز کردیا تھا اور انتہائی اپنائیت کا ثبوت دیتے ہوئے اپنی قوم ہونے کا واسطہ دے کر اللہ تعالیٰ کے غضب اور عذاب کو ٹھنڈا اور ختم کرنے کی دہائی دی تھی اور فرمایا تھا ''اللھم اھد قومی فانھم لا یعلمون '' اور پھر انہی جانی وایمانی دشمنوں کی فلاح ونجاح کے غم میں گھلنے اور افسوس سے مرنے کا نقشہ اللہ جل شانہ نے یوں کھینچا ہے۔ ''فَلَعَلَّكَ بَاخِعٌ نَّفْسَكَ عَلَىٰ آثَارِهِمْ إِن لَّمْ يُؤْمِنُوا بِهَٰذَا الْحَدِيثِ أَسَفًا '' (الکھف:۶) ''پس اگر یہ لوگ اس بات پر ایمان نہ لائیں تو آپ ان کے پیچھے اسی رنج میں اپنی جان ہلاک کرڈالیں گے''۔

ہمارے نبی ﷺ کا حال تو یہ ہے اور ہم ہیں کہ بلا کچھ کئے ساری دنیا کو دشمن بنائے جارہے ہیں اور ان کو اپنانے کے بجائے بیگانے کیے جارہے ہیں، پھر اس بڑھتی ہوئی دوری اور بیگانگی کی حالت میں کس بھلائی اور قربت الٰہی کی امید کرسکتے ہیں؟ ان کے ایمان نہ لانے پر ہمارے افضل واعلیٰ اور عظیم نبی ﷺ نے ان سے محبت جتائی ان کو جہنم کی راہ سے بچانے کی جتن کی اور ہم بلا کچھ کئے ان کو دشمن بناتے جارہے ہیں اور جو اصل اور اہم کام کرنے کا ہے اسے نظر انداز کیے جارہے ہیں۔ حالانکہ ان کے دشمنوں، ان کے ستانے والوں، ان کو وطن سے بھگانے والوں اور عرصۂ حیات تنگ کرنے والوں سے زیادہ بدبخت کسی زمانے کے کافر ومشرک اور دشمن نہیں ہوسکتے۔ ہم کیسے ہیں کہ ہمارا دشمن اتنا خراب ہوجائے کہ ہم اس کی رہنمائی کرنا اور ان پر دل وجان اور مال ومنال نچھاور کرنا چھوڑ دیں اور وہ دنیا کے سب سے بدترین لوگ جو نبی کریم ﷺ پر ہی

مظالم کے سارے پہاڑ توڑ رہے ہیں آپ ان کی نجات وفلاح کے لیے غمزدہ و فکر مند ہیں۔اور ہم ہیں کہ ہم اسی دعوت دین کے نام پر شیطان کو خوش کررہے ہیں، جب ایک دوسرے پر تکفیر، تفسیق وتبدیع کرنے سے گریز نہیں کرتے ،آج جو گھر گھر ،قبیلہ قبیلہ اور فرد فرد جس طرح ادنیٰ ادنیٰ باتوں پر ایک دوسروں سے دشمنی کرتے نہیں تھکتے۔ایک چھت کے نیچے رہنے والے، ایک کنبہ میں جینے والے، ایک گاؤں کے رہنے والے، ایک مسلک اور مذہب کے ماننے والے، ایک ہی آنگن میں بسنے والے، ایک ہی آفس میں کام کرنے والے، ایک ہی دفتر میں ملازم ومالک، ایک ہی درس گاہ میں پڑھنے والے، ایک ہی مسجد میں عبادت کرنے والے آپس میں ایسے دشمن بنے بیٹھے ہیں کہ الامان والحفیظ۔

لوگو! یہ سب فخر وغرور اور کبر ونخوت کی پاداش میں ہے۔ بھلا کون کس پر بھویں نہیں چڑھا رہا ہے اور کون کس کو نیچا نہیں دکھا رہا ہے؟ ظاہر بات ہے جب سبھوں نے اپنے اصل دشمن کو بھلا کر اسی دشمن ازلی وابدی کو ہی اپنا ہیرو جانے انجانے میں بنا کر آپس میں دشمنی کی ٹھان لی ہے تو پھر ایسے میں ملک وملت ، انسانیت اور جماعت، احزاب اور مسالک وفرق کا کیا حال ہوگا؟ کیا ہر آدمی اور ہر فرد میں جنگ وجدال اور شر وفساد برپا نہ ہوگا۔ پھر ملک والے، ملت والے، جماعت والے، اہل دین ودنیا کیوں کر صلاح وفلاح کی راہ پر گامزن رہ سکتے ہیں؟ غالباً یہی وجہ ہے کہ علم وفن کی کثرت، تعمیر وترقی کی بہتات اور تعلیم وتبلیغ کا چلن ہونے کے باوجود ہر طرف عداوت ودشمنی کا دور دورہ ہے۔کوئی جماعت اس سے محفوظ نہیں رہ گئی ’’**الا من رحم ربی**‘ ‘۔شر کی ساری قوتیں اکٹھا ہو رہی ہیں اور خیر کی چھوٹی چھوٹی بظاہر مجتمع قوتیں نفاق وشقاق اور بکھراؤ کی شکار ہو کر اور بے وقعت ہو کر اپنا وجود ہی کھو رہی ہیں ، پھر بھی ہوش کے ناخن لینا دور کی بات ہے اس میں نت نئی عداوتوں کی بیج بونے سے باز نہیں آرہی ہیں۔کہیں جغرافیائی بنیادوں پر دشمنی ہے، تو کہیں مذہب ودھرم کے نام پر، تو کہیں رنگ و نسل کی بنیاد پر دشمنی ہے، تو کہیں مسلک ومذہب کے نام پر، تو کہیں ذات پات اور کاسٹ وٹرائب کے نام پر اور کہیں زبان ولسان اور لباس و پوشاک کی بنیادوں پر بٹوارے اور دوستی ودشمنی اور ولاء وبراء کے بکھیڑے کھڑے ہیں۔ اب تو طرح طرح کی یونین اور سوسائٹی بھی بن رہی ہے اور اس میں اتنی گروہ بندی اور تعصب ہے کہ جب تک ان بتوں کو توڑ کر وحدت کی لڑی میں سب پرو نہیں دیئے جاتے ، اصل دشمن شیطان ہے، اس پر سب کا اتفاق نہیں ہو جاتا، اس کے مکر وخداع اور ہر طرح کی برائی سے ہماری لڑائی نہیں شروع ہو جاتی ہم یونہی بکھرتے، بگڑتے اور برباد ہوتے رہیں گے۔اس لیے ’’**کونوا عباد اللہ اخوانا** ‘‘ کا سماں پیدا کریں اور شیطان کو موقع نہ دیں اور اس کی مدد نہ کریں۔ اپنے ہی بھائی کو دشمن قرار دے کر اور شیطان کو اپنا ہمنوا بنا کر خوش ہو رہے ہیں کہ میں نے دشمن کو دھول چٹا دی۔

اے چشم اشکبار ذرا دیکھ تو سہی
یہ گھر جو جل رہا ہے کہیں تیرا گھر نہ ہو

شیطان تو اپنے داؤں چل گیا۔افسوس یہ ہے کہ اس نے اپنے داؤں آپ پر چلا دیا۔مگر آپ ہیں کہ خوش ہو رہے ہیں کہ میں نے فلاں دشمن کو پچھاڑ دیا۔ دیکھئے ! آپ کے نبی ﷺ ہر خطبہ میں اللہ جل شانہ سے مدد طلب فرماتے تھے، حالانکہ آپ کی شخصیت ایسی تھی کہ جن کے نہ صرف اگلے پچھلے گناہ معاف ہوں، بلکہ گناہوں سے کوسوں دور ہو وہ بھی بار بار استغفار کر رہے ہیں۔جن پر ہر لمحے ہزاروں درود وسلام اور رحمتیں نازل ہوتی ہوں اور ہر لحہ جن کا درجہ بلند کیا جارہا ہو اور قربت الٰہی جن کو حاصل ہوں وہ **نحمدہ ونستعینہ ونستغفرہ** کے بعد جو کچھ مانگ رہے ہیں وہ پوری امت اور ساری انسانیت کے لیے سب سے بڑا درس ہے۔وہ فرماتے ہیں’’**ونعوذ باللہ من شرور انفسنا**‘‘ دیکھو! آپ ﷺ کے اپنے نفس اور اپنی جان کے شر سے پناہ مانگنے کا کیا مطلب ہے؟ کیا اس سے بھی بڑھ کر پاک وصاف کوئی نفس ہو سکتا ہے۔سارے ہی نفس لوامہ اور نفس مطمئنہ اس ایک نفس پر قربان کئے جائیں تو حق نہ ادا ہو۔پھر یہ کیا ہے کہ وہ خود نفس کے شر سے پناہ مانگ رہے ہیں۔وہ اعمال کی برائی سے پناہ ڈھونڈ رہے ہیں جن کو عمل صالح کا نمونہ قرار دیا گیا ہو۔کبھی سوچا ہے آپ نے؟ اور ہم کو حکم ہے کہ شیطان مردود سے اللہ جل شانہ کی پناہ مانگیں اور یہاں پاک نفس کے شر سے بھی بچنے کی تلقین وتعلیم اور تنبیہ ہے۔

میرے عزیزو! یہاں دو تین نکتے ہمیشہ یاد رکھو! ایک تو یہ ہے کہ کبھی بھی اپنے نفس کا تزکیہ خود نہ کرو کہ میں بہت بڑا پاک دامن اور مزکی ومصفی ہوں۔’’**لا تزکوا انفسکم** ‘‘ کی تعلیمات الٰہی کو یاد رکھو۔ دیگر یہ ہے کہ ہمیشہ برائی سے بچنے، اس سے پناہ مانگنے اور اس سے دور رہنے کی کوشش کرو۔ نفس سے پناہ مانگنے کا کیا مطلب ہے؟ تم خود برے نہیں ہو، تمہارا نفس اور تمہاری جان خود اپنی ہے۔ عربی مقولہ ہے’’**یدک منک ولو کانت شلاء** ‘‘۔تمہارا ہاتھ لولا ہی سہی اپنا ہے۔ وہی کام آئے گا۔ اس لیے تمہاری جان اور تمہارے اعضاء وجوارح تمہارے دشمن نہیں ہیں۔وہ تمہارے ایسے اجزاء ہیں جو’**لا یتجزی** ‘‘ہیں۔ حالانکہ’’**جزء الذی لا یتجزی** ‘‘ باطل ہے۔مگر یہاں بات وہ نہیں ہے۔

چوں عضو بہ درد آورد روزگار
دیگر عضو ہارا نہ ماند قرار

بدن کا کوئی بھی حصہ درد سے کراہ رہا ہوتو دیگر اعضاء بھلا کب چین سے رہ سکتے ہیں۔آپ اگر چاہتے ہیں کہ آنکھ چونکہ غلط چیزوں پر پڑ جاتی ہے،اس لیے اسے الگ تھلگ کردینا چاہئے۔مگر یہ کہاں کی ہوشیاری ہے کہ اس کی کسی غلطی کو ماننے کے بجائے اسے قصوروار ٹھہرا کر آنکھ ہی گنوادی جائے اور شیطان کو اور خوش کردیا جائے۔یہ تو بسا اوقات ’’**خسر الدنیا والآخرة**‘‘ کا معاملہ ہوسکتا ہے۔

حق یہ ہے کہ نفس کے شر سے پناہ مانگی جائے اور اعضاء و جوارح کو غلط جگہ استعمال ہونے سے پناہ مانگی جائے۔ بہت سے لوگ اپنے ہی بھائی کو ستاتے ہیں اور خوش ہوتے ہیں۔ اپنے ہی بھائی سے حسد کرتے ہیں اور خوش ہوتے ہیں۔اپنے ہی بھائی کا مال ہڑپ لیتے ہیں اور خوش ہوتے ہیں۔ یہ سب شیطانی کام ہیں۔ان کاموں سے بچیں۔نہ کہ ان بھائیوں سے جو آپ کے اپنے اعضاء ہیں،آپ کا رشتہ دار اپنا ہے۔انسان انسان کا بھائی ہے۔اس کو بچانا ہے نہ کہ گناہوں کی وجہ سے اسے ہی ہلاک ہونے دینا ہے۔

بس یاد رکھیں کہ شیطان ہی دشمن ہے۔اس کے علاوہ کسی سے کوئی دشمنی نہیں۔گنہگاروں، کافروں، مشرکوں، بدکاروں اور چوروں اچکّوں سے نہیں۔ نفرت ان کاموں سے ہو جس کے وہ مرتکب ہوکر مبغوض ہورہے ہیں۔راندۂ درگاہ ہورہے ہیں۔اور آپ خوش ہورہے ہیں۔انسانیت کے ناطے وہ ہمارے ہیں۔اگر انسان میں انسانیت نہیں پھر وہ شیطان اور حیوان ہے۔بھلا ہم کہاں جارہے ہیں؟ ہمارے نبی ﷺ سخت جانی دشمنوں کو بھی دعائیں دیتے تھے۔ ’’**اذھبوا انتم الطلقاء لا تثریب علیکم الیوم**‘‘ فرماتے جاتے تھے۔ ایسا جس دن ہم کرنے لگیں سارے شیطان انسانوں سے مایوس ہوجائیں گے اور سب انسان بھائی بھائی ہوجائیں گے۔

ایک شرابی کو لوگ ہاتھوں اور لاتوں اور جوتوں سے مار رہے تھے۔ایک آدمی نے کہہ دیا کہ اللہ اسے ذلیل ورسوا کرے،تو آپ ﷺ نے فرمایا کہ ’’**لا تکونوا عونا للشیطان علی اخیکم**‘‘۔’’اپنے بھائی کے خلاف شیطان کا مددگار نہ بنو‘‘۔

اللہ تعالیٰ کے نبی ﷺ نے لوگوں کو اللہ تعالیٰ کی رحمت سے دور کرنے، ذلیل کرنے، حقیر سمجھ کر دھتکارنے، بد دعا دینے اور ان پر سختی و زیادتی کرنے سے روک کر اور اسے شیطان کا ساتھی بنا کر اسے خوش کرنے سے روک دیا۔اس لیے کسی بھی حال میں کسی کا مذاق اڑانا، تمسخر کرنا اور تحقیر و تذلیل کر کے اللہ تعالیٰ کی رحمت اور اچھی نصیحت سے دور کرنے سے بچنا چاہئے۔اس میں شیطانی چال اور اس کا مکر و چال زیادہ کارگر ثابت ہوتا ہے۔ یہ سب کچھ اس لیے بھی ہوتا ہے کہ ہم اپنے ازلی و حقیقی دشمن ابلیس اور اس کی ذریت سے دشمنی کرنے کے بجائے اللہ کے بندوں اور اپنے جیسے انسانوں اور بھائیوں کو ہی دشمن بنا کر اور ذلیل کر کے خوش ہوتے ہیں۔جن عظیم گناہوں کی وجہ سے ہم ان سے دشمنی کرتے ہیں اس میں وہ اور زیادہ شیطان کے غلام بنتے چلے جاتے ہیں اور ہم سے اور رحمان سے دور ہوتے چلے جاتے ہیں۔حالانکہ وہ خود جس کی نافرمانی کرتے ہیں اور وہ جس کو ان پر غصہ ہونا چاہئے،ان کو ملیامیٹ کردینا چاہئے،ان پر عرصہ حیات تنگ کردینا چاہئے وہ ایسا نہیں کرتا کیوں کہ جس منعم حقیقی اور مولائے کریم نے انہیں پیدا کیا سب اس کے غلام اور بندے ہیں۔پھر بھی لوگ گناہ و نافرمانی کے ذریعہ بڑے بڑے مجرم بنتے ہیں۔خود اللہ جل شانہ ان سے یوں مخاطب ہے اور انتہائی نرمی اور اپنائیت سے فرماتا ہے۔’’**قُلْ يَا عِبَادِيَ الَّذِينَ أَسْرَفُوا عَلَى أَنفُسِهِمْ لَا تَقْنَطُوا مِن رَّحْمَةِ اللَّهِ إِنَّ اللَّهَ يَغْفِرُ الذُّنُوبَ جَمِيعاً إِنَّهُ هُوَ الْغَفُورُ الرَّحِيمُ**‘‘ (الزمر:۵۳) (میری جانب سے) کہہ دو کہ اے میرے بندو! جنہوں نے اپنی جانوں پر زیادتی کی ہے تم اللہ کی رحمت سے ناامید نہ ہوجاؤ، بالیقین اللہ تعالیٰ سارے گناہوں کو بخش دیتا ہے، واقعی وہ بڑی بخشش بڑی رحمت والا ہے‘‘۔

اور ہم ہیں کہ ادنیٰ تقصیر پر بھی انہیں دشمن بنا دیتے ہیں۔شیطان کی شماتت اور جشن کا سامان فراہم کردیتے ہیں۔حالانکہ شیطان ہمارا کھلم کھلا دشمن ہے۔ ارشاد باری تعالیٰ ہے:’’**وَلاَ تَتَّبِعُواْ خُطُوَاتِ الشَّيْطَانِ إِنَّهُ لَكُمْ عَدُوٌّ مُّبِينٌ**‘‘(البقرہ:۱۶۸) ’’اور شیطانی راہ پر نہ چلو،وہ تمہارا کھلا ہوا دشمن ہے‘‘۔

ارشاد ہے:’’**إِنَّ الشَّيْطَانَ لَكُمْ عَدُوٌّ فَاتَّخِذُوهُ عَدُوّاً**‘‘ (فاطر:۶) ’’یاد رکھو!شیطان تمہارا دشمن ہے،تم اسے دشمن جانو‘‘۔

ہمارے جد امجد آدم اور اماں حوا علیہم الصلاۃ والتسلیم اور تمام لوگ بنی نوع انسان ہے۔’’**إِنَّ الشَّيْطَآنَ لَكُمَا عَدُوٌّ مُّبِينٌ**‘‘ (الاعراف:۲۲) ’’شیطان تمہارا صریح دشمن ہے‘‘۔سورہ یوسف میں ارشاد ہے:’’**إِنَّ الشَّيْطَانَ لِلإِنْسَانِ عَدُوٌّ مُّبِينٌ**‘‘ (یوسف:۵) ’’شیطان تو انسان کا کھلا دشمن ہے‘‘۔

نیز ارشاد ہے:’’**إِنَّ الشَّيْطَانَ كَانَ لِلإِنْسَانِ عَدُوّاً مُّبِيناً**‘‘ (الاسراء:۵۳) ’’بے شک شیطان انسان کا کھلا دشمن ہے‘‘۔

☆☆☆

ماہ محرم اور ہجرت

مولانا محمد محبّ اللہ المحمدی

جب سے آسمان وزمین کی تخلیق ہوئی ہے اسوقت سے ہی مہینوں کی تعداد بارہ ہے ان میں سے چار حرمت والے ہیں جیسا کہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا۔مہینوں کی گنتی اللہ کے نزدیک کتاب اللہ میں بارہ کی ہے، اسی دن سے جب سے آسمان وزمین کو پیدا کیا ہے ان میں سے چار حرمت وادب کے ہیں یہی درست دین ہے تم ان مہینوں میں اپنی جانوں پر ظلم نہ کرو۔(سورہ توبہ:۳۶)

صاحب تفسیر فہم القرآن لکھتے ہیں کہ حرمت والے مہینے میں قتال ممنوع ہے۔ یہود و نصاریٰ اور ان کے علماء کا کردار اور انجام ذکر کرنے کے بعد خطاب کا رخ مشرکین مکہ کی طرف ہو چکا ہے۔اسلامی سال کی تقویم اور تقسیم کسی انسان کے حساب و کتاب کا نتیجہ نہیں یہ تو اللہ تعالیٰ نے اس دن سے ہی ماہ، سنین اور ایام متعین فرما دیے تھے۔ جب اللہ تعالیٰ نے زمین و آسمان کو پیدا فرمایا تھا۔گویا کہ زمین و آسمان کی پیدائش کے ساتھ ہی لیل ونہار اور سال کی تقویم شروع کر دی گئی اور اسی وقت سے ہی اللہ تعالیٰ نے سال کے بارہ مہینے مقرر فرمائے ہیں جن میں چار مہینے محترم قرار دیے گئے۔جن کے ناموں کی تصریح کرتے ہوئے نبی اکرم (ﷺ) نے فرمایا کہ یہ ذوالقعدہ، ذوالحجہ، محرم اور رجب کا مہینہ ہے گویا کہ اسلامی سال کا گیا رہواں، بارہواں پہلا مہینہ محرم اور ساتواں مہینہ رجب حرمت والے ہیں۔یاد رہے کہ اسلامی جنتری اور کیلنڈر قمری حساب پر مرتب ہوتا ہے اور اسلامی عبادات کے شمار اور حساب کا دارومدار بھی چاند کے حساب پر رکھا گیا ہے جب مسلمان سیاسی اعتبار سے دنیا میں غالب تھے تو ان کے حساب و کتاب کا معیار قمری مہینہ ہوا کرتا تھا۔لیکن جب سے یہ سیاسی اعتبار سے پسپا ہوئے تو ان کا تہذیب وتمدن اور حساب و کتاب کا شمار اور معیار بھی پسپائی اختیار کرتا چلا گیا۔یہاں تک کہ آج عام مسلمان ہی نہیں بلکہ دینی طبقہ بھی اپنی تقویم کو فراموش کر چکا ہے حالانکہ ہماری زندگی کے لمحات اور ایام شمسی حساب سے نہیں بلکہ اللہ تعالیٰ کے ہاں قمری حساب پر مشتمل ہیں۔سال کے بارہ مہینوں میں چار مہینے اس لیے محترم قرار دیے گئے تا کہ معاشرے میں امن وامان، اخلاق اور بہتر کردار کی بنیادیں مستحکم رہ سکیں۔اور دنیا کے کونے کونے سے آنے والے مسلمان امن وامان کے ساتھ حج کر سکیں چوتھا مہینہ رجب اس لیے مقرر کیا گیا۔کہ حضرت ابراہیم کے زمانے سے رجب کے مہینہ میں لوگ عمرہ ادا کرتے تھے البتہ نبی اکرم (ﷺ) نے عمرہ رمضان المبارک میں ادا کرنا حج کے ثواب کے مترادف قرار دیا ہے۔انہی بنیادوں پر اسے دین قیم قرار دیتے ہوئے حکم فرمایا کہ ان مہینوں میں خاص طور پر اپنے آپ پر ظلم نہ کیا کرو۔عرب جہالت کے باوجود ان مہینوں کا اس قدر احترام کرتے کہ اگر کسی کے باپ کا قاتل اس کے سامنے آجاتا تو وہ غیرت انتقام سے آگ بگولہ ہو جاتا مگر اس کو یہ جرأت نہ ہوتی کہ وہ ہاتھ میں پکڑی ہوئی تلوار کو نیام سے باہر نکال سکے۔لیکن قریش مکہ نے اسلام دشمنی میں آکر ملت ابراہیم کی اخلاقی قدروں اور حرمت والے مہینوں کی پاسداری کا لحاظ چھوڑ دیا۔یہاں تک کہ انھوں نے ان مہینوں میں تغیر و تبدل کر دیا۔حرمت والے مہینوں کی پرواہ کیے بغیر وہ مسلمانوں کو انفرادی اور اجتماعی طور پر نقصان پہنچانے سے دریغ نہ کرتے ان کے مقابلہ میں مسلمانوں کو اجازت دی گئی ہے کہ اگر کفار اور مشرکین ان مہینوں میں تم پر یلغار کریں تو تمھیں بھی اپنا دفاع و بچاؤ کرنا چاہیے۔اللہ تعالیٰ اچھی طرح جانتا ہے کہ کون اس کی حرمتوں کا خیال رکھنے والا ہے اور کون نہیں رکھتا۔لیکن یاد رکھو کہ اللہ تعالیٰ ظلم سے بچنے اور گناہوں سے اجتناب کرنے والوں سے محبت کرتا ہے۔"حضرت ابوبکرہ (رضی اللہ عنہ) نبی اکرم (ﷺ) کا بیان نقل کرتے ہیں آپ نے فرمایا زمانہ گھوم کر بالکل اپنی اصل جگہ آگیا ہے جس دن اللہ تعالیٰ نے آسمانوں اور زمین کو پیدا کیا تھا۔سال بارہ مہینوں کا ہے اس میں سے چار حرمت والے ہیں تین مہینے متواتر ہیں۔ذوالقعدہ، ذوالحجہ اور محرم جبکہ رجب جمادی اور شعبان کے درمیان ہے۔(بخاری) بحوالہ۔تفسیر فہم القرآن سورہ توبہ آیت 36۔

محترم قارئین۔اسلامی تقویم کا پہلا مہینہ محرم الحرام ہے، ہجری سال کی ابتداء ماہ محرم سے ہوتی ہے جو کہ چار (ذوالقعدۃ، ذوالحجۃ، محرم، رجب) حرمتوں والے مہینوں میں سے ایک ہے، جو عظمت و احترام میں بہت ساری نوعیّتوں سے دیگر مہینوں پر سوائے ماہ رمضان کے فوقیت و برتری رکھتا ہے، جاہلیت کے تاریک ترین زمانے ہی سے اہل عرب جو علم وبصیرت سے دور اور عقل سلیم سے بیگانہ، ظلمت وحشت سے قریب اور جنگ وجدال کے دلدادہ تھے، اس مہینے کے احترام میں قتل وقتال، جنگ وجدال، کشت وخون، لوٹ مار چھین جھپٹ اور غارت گری ورہزنی سے باز رہتے تھے، اوران حرمت والے مہینوں کی قدر و اہتمام کیا کرتے تھے، یہاں تک کہ کعبہ کو ڈھانپ

دیتے تھے، یہی وجہ ہے کہ محرم کے مہینہ کومحرم الحرام کہا جاتا ہے کہ اس میں معرکہ کارزار گرم کرنا اور انسانوں کے خون کو ناحق بہانا حرام ہے۔

علامہ ابن رجب رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ ابوعثمان النہدیؒ نے کہا کہ: سلف صالحین تین عشروں کی نہایت زیادہ تعظیم کیا کرتے تھے۔ ایک رمضان المبارک کا آخری عشرہ، دوسرا ذی الحجہ کا پہلا عشرہ اور تیسرا محرم الحرام کا پہلا عشرہ۔ نیز فرماتے ہیں :بعض نے کہا ہے کہ اللہ سبحانہ وتعالیٰ نے حضرت موسیٰ علیہ السلام کے تیس دن کے بعد چالیس دن کی تکمیل کے لیے جن دس دنوں کا اضافہ کیا تھا، وہ یہی محرم الحرام کے دس دن تھے۔ آگے فرماتے ہیں: رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے محرم الحرام کی نسبت اللہ تعالیٰ کی طرف فرمائی ہے جو اس کے شرف اور خصوصی فضیلت پر دالّ ہے، کیوں کہ اللہ تعالیٰ اپنی خصوصی مخلوق کی نسبت ہی اپنی طرف فرماتا ہے۔ بحوالہ۔ لطائف المعارف فیما لمواسم العام من الوظائف لابن رجب الحنبلی صفحہ نمبر 35 تا36۔

محترم قارئین۔ اللہ تعالیٰ نے اپنے فضل وکرم اور مہربانی سے بعض ایسے مواسم ومواقع رکھے ہیں جسے گولڈن چانس کہا جاسکتا ہے اس طور پر کہ ان بابرکت مواقع سے مستفید ہونا ان کو غنیمت جاننا اس میں عبادت وبندگی کرنا زیادہ اجر وثواب اور خیر وبھلائی کا باعث ہے۔ جیسا کہ ابن القیم الجوزیہ رحمہ اللہ فرماتے ہیں۔ اور جس طرح (مقررہ) وقت پر بارانِ رحمت کے برسنے کی امید قوی ہو جاتی ہے، بالکل اسی طرح فضیلت والے اوقات اور بابرکت احوال میں اللہ رحمٰن رحیم کی رحمت وعنایت کی نفحات (خوشبوؤں اور جھونکوں) کو پالینے کی امید بھی قوی ہو جاتی ہے۔ خصوصاً جب (لوگوں کی) ہمتیں یکجا ہو جائیں، ارادے اور عزائم بلند ہو جائیں، دل ایک دوسرے کے مددگار بن جائیں اور لوگوں کا اجتماع عظیم وجم غفیر ہو؛ جیسے عرفات کا اجتماع، نمازِ استسقاء کا اجتماع اور اہل عید وجمعہ کا اجتماع۔

کیونکہ (نیک مقاصد کے لیے) ہمتوں، ارادوں اور سانسوں کا باہم مل جانا ایسے اسباب ہیں جنہیں اللہ تعالیٰ نے خیر وبھلائی کے حصول اور رحمتِ الٰہی کے نزول کا ذریعہ اور مقتضا بنایا ہے۔ بحوالہ۔ عدالصابرین وذخیر الشاکرین صفحہ 61۔

لہٰذا ماہ محرم الحرام میں زیادہ سے زیادہ صیام وقیام اور رب سے قربت حاصل کرنے کی کوششیں کرنی چاہئے۔

واقعہ ہجرت کی عظمت۔ مولانا ابوالکلام آزاد رحمہ اللہ لکھتے ہیں آج جبکہ یہ سطریں لکھ رہا ہوں، محرم کی تیرہویں تاریخ ہے پورے تیرہ دن اس واقعہ پر گذر چکے ہیں کہ پچھلا ہجری سال ختم ہو چکا اور نیا سال شروع ہو چکا ہے لیکن ہزاروں لاکھوں مسلمانوں میں شاید ایک شخص بھی ایسا نہ ہوگا جس نے غور کیا ہوگا کہ اس سالانہ اختتام و آغاز میں تاریخ اسلام کے کیسے عظیم اور انقلاب انگیز واقعے کی یاد پوشیدہ ہے؟

بحوالہ۔ رسول رحمت، مولانا آزاد کے مقالات، بہ ترتیب واضافہ مطالب غلام رسول مہر صفحہ نمبر 195۔

تذکار محرم۔ اس ہجری سن کے ساٹھویں برس کربلا کا حادثہ ظہور میں آیا، یہ حادثہ اس درجہ المناک اور دردانگیز تھا اور اس کے سیاسی اثرات اس درجہ قوی اور وسیع تھے کہ جوں جوں وقت گزرتا گیا، اس کی یاد ایک ماتمی یادگار کی حیثیت اختیار کرتی گئی، یہاں تک کہ محرم کے ورود کی تمام یادآوری صرف اسی حادثہ کے تذکرہ وتألم میں محدود ہوگئی اور دوسرے تمام پہلو یک قلم فراموش کر دیئے گئے، اس میں شک نہیں کہ حادثہ کربلا کی المناکیاں اور عبرت انگیزیاں ناقابل فراموش ہیں، لیکن ہمارے جماعتی ذہن وفکر کی یہ بہت بڑی غفلت ہوگی، اگر اس حادثہ کے استغراق میں تذکرہ واعتبار کے دوسرے پہلو فراموش کر دیئے جائیں، یہ سن ہجری کے ساٹھویں برس کے ایک واقعے کی تذکار ہے لیکن خود سن ہجری کے پہلے برس کی تذکار سے کیوں چشم بصیرت بند کرلی جائے؟ بحوالہ۔ رسول رحمت، مولانا آزاد کے مقالات، بہ ترتیب واضافہ مطالب غلام رسول مہر صفحہ نمبر 197۔

سن ہجری کی ابتداء: اس بارے میں متعدد روایتیں منقول ہیں۔ سب سے زیادہ مشہور روایت میمون بن مہران کی ہے جسے تمام مورخین نے نقل کیا ہے۔ خلاصہ اس کا یہ ہے کہ ''ایک مرتبہ ایک کاغذ حضرت عمرؓ کے سامنے پیش کیا گیا جس میں شعبان کا مہینہ درج تھا۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے کہا، شعبان سے مقصود کون سا شعبان ہے؟ اس برس کا یا آئندہ برس کا؟ پھر آپ نے سربرآوردہ صحابہ کو جمع کیا اور ان سے کہا اب حکومت کے مالی وسائل بہت زیادہ وسیع ہوگئے ہیں اور جو کچھ ہم تقسیم کرتے ہیں وہ ایک ہی وقت میں ختم نہیں ہوجاتا لہٰذا ضروری ہے، حساب وکتاب کے لیے کوئی ایسا طریقہ اختیار کیا جائے کہ اوقات ٹھیک طور پر منضبط ہوسکیں۔ اس پر لوگوں نے کہا کہ ایرانیوں سے مشورہ کرنا چاہیے۔ ان کے یہاں اس کے طریقے کیا تھے؟ چنانچہ حضرت عمرؓ نے ہرمزان کو بلایا۔ اس نے کہا: ہمارے یہاں ایک حساب موجود ہے جسے ''ماہ روز'' کہتے ہیں۔ اسی ماہ روز کو عربی میں ''مورخہ'' بنالیا گیا۔ پھر یہ سوال پیدا ہوا کہ اسلامی حکومت کی تاریخ کے لیے جو سن اختیار کیا جائے۔ اس کی ابتدا کب سے ہو؟ سب نے اتفاق کیا کہ ہجرت کے برس سے کی جائے، چنانچہ ہجری سن قرار پایا ہے۔

ابن جان نے قرہ بن خالد سے ایک دوسری روایت بھی نقل کی ہے۔ اس میں ایک دوسرے واقعے کا ذکر کیا گیا ہے۔ خلاصہ اس کا یہ ہے کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے پاس یمن سے ایک عامل آیا تھا۔ اس نے کہا لکھنے پڑھنے میں آپ لوگ تاریخ

نہیں لکھتے۔اس طرح کہ فلاں بات فلاں سن میں،سن کے فلاں مہینے میں ہوئی۔اس پر حضرت عمر رضہ اور لوگوں کو اس معاملے کا خیال ہوا۔ پہلے انھوں نے ارادہ کیا کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے مبعوث ہونے کے وقت سے سن کا حساب شروع کر دیں پھر خیال ہوا کہ آپ کی وفات سے شروع کیا جائے لیکن آخر میں یہ رائے قرار پائی کہ ہجرت سے سن کا تقرر ہو۔

ابو ہلال عسکری نے ''الاوائل'' میں اور مقریزی نے تاریخ میں حضرت سعید بن المسیب سے نقل کیا ہے کہ واقعہ ہجرت سے سن شروع کرنے کی رائے حضرت علی رضی اللہ عنہ نے دی تھی۔بحوالہ۔رسول رحمت،مولانا آزاد کے مقالات، بہ ترتیب واضافہ مطالب غلام رسول مہر صفحہ نمبر 198۔199۔

واقعہ ہجرت کا اختصاص:حضرت عمر رضی اللہ عنہ اور اکابر صحابہ رضی اللہ عنہم کی اس پہلو پر نظر تھی، وہ محسوس کرتے تھے کہ قومی زندگی کی تقویم کے لیے قومی سن ضروری ہے اور اس لئے چاہئے کہ یہ باہر سے نہ لیا جائے،اندر ہی تیار کیا جائے۔مسلمانوں کا قومی سن قرار دینے کے لیے قدرتی طور پر جو چیزیں سامنے کی تھیں،وہ اسلام کا ظہور تھا ، داعی اسلام کی پیدائش تھی،نزول وحی کی ابتداء تھی، بدر کی تاریخی فتح تھی مکہ کا فتح مندانہ داخلہ تھا، حجۃ الوداع کا اجتماع تھا جو اسلام کی ظاہری اور معنوی تکمیل وفتح کا آخری اعلان تھا،لیکن ان تمام واقعات میں سے کوئی واقعہ بھی اختیار نہیں کیا گیا، ہجرت مدینہ کی طرف نظر گئی جو نہ تو کسی پیدائش کا جشن ہے،نہ کسی ظہور کی شوکت،نہ کسی جنگ کی فتح ہے نہ کسی غلبہ وتسلط کا شادیانہ، بلکہ اس زمانے کی یاد تازہ کرتا ہے جب آغاز اسلام کی بے سروسامانیاں اور ناکامیاں اس حد تک پہنچ گئی تھیں کہ داعی اسلام کے لئے اپنے وطن میں زندگی بسر کرنا بھی ناممکن ہو گیا تھا، بیچارگی اور مظلومیت کی انتہا تھی کہ اپنا وطن،اپنا گھر،اپنے عزیز واقارب اور اپنا سب کچھ چھوڑ کر صرف ایک رفیق غم گسار کے ساتھ رات کی تاریکی میں رہ سپار دشتِ غربت ہوا تھا۔بحوالہ۔ رسول رحمت،مولانا آزاد کے مقالات، بہ ترتیب واضافہ مطالب غلام رسول مہر صفحہ نمبر 206۔

ہجرت نبوی صلی اللہ علیہ وسلم سے مستفاد دروس:عقیدہ توحید اور ایمان وعمل سب سے غالی ونفیس ونہایت ہی قیمتی چیز ہے، بلکہ امت کی عزت کا راز کلمہ توحید کو عملی زندگی میں اپنانے اور اسی کو بنیاد بنا کر اتحاد کا جامہ پہنانے میں مضمر ہے۔

صحیح عقیدہ وصائب فکر ونظر ہی ایک مؤمن کا اصل سرمایہ ہے،عہد اول کے مؤمنوں نے صحابہ کرام نے عقیدہ وایمان کی حفاظت کے لئے ہر طرح کی مشقتوں مصیبتوں وتکالیف برداشت کئے یہاں تک کہ خویش واقارب اہل وعیال وطن وملک کو بھی ترک کئے اور ہر طرح کی قربانیاں پیش کئے۔

ایمانی قوت ہی باعث اطمینان ہے:ایمانی قوت اور عقیدہ وفکر کی مضبوطی حیرت ناک بلکہ معجزانہ کام کروا دیتی ہے۔یہ ایک مومن کے دل میں اللہ تعالیٰ پر سچے اعتماد اور اس پر بھروسہ کرنے کا بیج بو دیتی ہے، خصوصاً مشکل ترین حالات میں یہ اعتماد اور اطمینان مزید بڑھ جاتا ہے۔

حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ غار کے باہر مشرکوں کے قدموں کی چاپ سن رہے تھے اور اپنی نظران کے پاؤں کے پیچھے پیچھے لگا رہے تھے اور کہنے لگے اے اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم! اگر ان میں کوئی اپنے قدم رکھنے کی جگہ پر جھانک لے تو ہمیں دیکھ لے گا۔

رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے جو جواب دیا وہ اللہ تعالیٰ کی مدد پر پختہ یقین کا منہ بولتا ثبوت تھا۔فرمایا:یا أبا بکر ما ظنک باثنین الله ثالثهما ؟)

ابوبکر! ان دو کے بارے میں تمھارا کیا گمان ہے جن کا تیسرا اللہ تعالیٰ ہے؟۔

(صحیح بخاری 3453 وصحیح مسلم 2381)

اللہ اکبر! غور کریں۔اللہ تعالیٰ اپنے بندوں پر کس قدر مہربان ہے؟ پھر اپنے اولیاء کی کہاں کہاں تک مدد کر دیتا ہے؟

یہاں امت کے علماء دعاۃ، مبلغین ومصلحین کے لیے اہم سبق پنہاں ہے کہ اندھیرا، خواہ کتنا ہی گہرا اور کثیف ہو جائے،اللہ تعالیٰ کا وعدہ لامحالہ آنے والا ہے، جیسا کہ فرمایا:

''یہاں تک کہ جب رسول بالکل ناامید ہو گئے اور انھوں نے گمان کیا کہ بے شک ان سے یقیناً جھوٹ کہا گیا تھا تو ان کے پاس ہماری مدد آ گئی، پھر جسے ہم چاہتے تھے وہ بچا لیا گیا اور ہمارا عذاب مجرم لوگوں سے ہٹایا نہیں جاتا۔'' (سورہ یوسف:١١)

صبر واستقامت کا پیغام۔اذیتوں پر صبر کرنا اور سختیوں ومصائب کے وقت ثابت قدم رہنا؛ چنانچہ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کو طرح طرح کے عذاب اور ظلم وستم کا سامنا کرنا پڑا جو انہوں نے برداشت کیا،اور اس کے باوجود وہ اپنے دین پر ثابت قدم ،قائم ودائم رہے اور اللہ کی راہ میں پہنچنے والی ہر تکلیف پر صبر وضبط کیا۔ان مصائب نے ان کے حوصلے پست نہیں کیے،اور ان سختیوں نے ان کے ایمان اور یقین میں اضافے کے سوا کچھ نہ کیا۔

جو اللہ تعالیٰ کی حفاظت کرتا ہے اللہ تعالیٰ اس کی حفاظت کرتا ہے اسے ہر طرح کے تکلیف وشر سے محفوظ رکھتا ہے۔یعنی جو شریعت پر چلتا ہے اس کے مطابق اپنی زندگی گزارتا ہے اللہ تعالیٰ اس کا معاون ومددگار رہتا ہے انکی حفاظت وصیانت فرماتا

ہے، اور ہجرت نبویہ سے یہ درس ملتا ہے یاد کیجیے جب قریش کے سرداروں نے آپ ﷺ کو قید کرنے، قتل کرنے یا جلاوطن کرنے کی سازشیں رچی تھیں۔ پس اللہ تعالیٰ نے آپ ﷺ کو ان کے شر ومکر سے نجات دلایا آپ ﷺ نے ان کے چہروں پر مٹی پھینکا اور ان کے درمیان سے صحیح سلامت اور باحفاظت نکل گئے۔

خوشی اور غم (ہر حال) میں اعتدال: چنانچہ جس دن آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو مکہ سے نہایت ہی درد والم کی حالت میں (مجبور کر کے) نکالا گیا، تو آپ ﷺ نہ تو عاجز آئے، نہ رنج وملال اور غم وافسوس کر کے مغلوب ہوئے اور نہ ہی اپنے رب پر آپ کا توکل و اعتماد متزلزل ہوا۔ اور جب اللہ تعالیٰ نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے لیے فتوحات کے دروازے کھول دیے اور اسلام کی سربلندی اور مسلمانوں کے غلبے سے آپ ﷺ کی آنکھیں ٹھنڈی فرمائیں، تو آپ ﷺ پر نہ تو غرور وسطوت طاری ہوئی اور نہ ہی آپ ﷺ نے فخر ومباہات کا اظہار کیا بلکہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا طرزِ زندگی اس دن بھی بالکل ویسا ہی تھا جب آپ ﷺ کو بادلِ ناخواستہ مکہ سے نکالا گیا تھا، اور اس دن بھی بالکل ویسا ہی رہا جب آپ ﷺ ایک فاتح اور کامران کی حیثیت سے اس میں داخل ہوئے۔ آپ ﷺ کا رہن سہن اس دور میں بھی وہی تھا جب آپ ﷺ مکہ میں سفیہ و بے وقوف قسم کے لوگوں کی اذیتیں وتکلیفیں برداشت کر رہے تھے، اور اس وقت بھی وہی رہا جب آپ ﷺ کا پرچم اسلام تمام بلادِ عرب پر لہرانے لگا۔

حلم وبردباری کی ضرورت اور برائی کا جواب بھلائی سے دینا۔

ہجرت سے پہلے مکہ میں سرکشوں اور جاہلوں کی طرف سے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو شدید تکالیف پہنچائی جاتی تھیں، مگر آپ ﷺ ان سے درگزر فرماتے اور معاف کر دیتے۔ پھر جب آپ ﷺ فاتح اور کامران ہو کر مکہ واپس لوٹے، تو آپ ﷺ نے ان تمام لوگوں کو معاف فرما دیا جنہوں نے آپ ﷺ کو اذیتیں دی تھیں۔ جو شخص اللہ کے لیے کوئی چیز چھوڑتا ہے، اللہ اسے اس سے بہتر نعم البدل عطا فرماتا ہے۔

جب مہاجرین نے اپنے گھر بار، اہل وعیال اور اپنے وہ اموال چھوڑے جو انہیں سب سے زیادہ عزیز تھے، اور یہ سب کچھ انہوں نے صرف اللہ کی خاطر کیا، تو اللہ نے انہیں اس کا ایسا بہترین بدل عطا فرمایا کہ ان کے لیے دنیا کے دروازے کھول دیے اور انہیں مشرق ومغرب شمال وجنوب کا مالک بنا دیا۔

معاشرے میں عورت کے عظیم کردار پر تنبیہ وروشنی: یہ پہلو سیدہ عائشہ اور ان کی ہمشیرہ سیدہ اسماء رضی اللہ عنہما کے اس کردار سے نمایاں ہوتا ہے جو انہوں نے ہجرت کے معاملے میں ادا کیا۔ وہ دونوں ہجرت کے سفر میں بہترین مددگار اور معاون ثابت ہوئیں۔ اس مہم کے پرخطر ہونے کے باوجود انہوں نے اپنے والدِ محترم حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کا ساتھ نہ چھوڑا، سفر کے اس راز کو کسی پر افشا نہ ہونے دیا، اور سواری کا سامانِ سفر مکمل طور پر تیار کرنے میں کوئی کسر اٹھا نہ رکھی۔ اس کے علاوہ بھی انہوں نے مہم کو کامیاب بنانے کے لیے بے شمار خدمات سرانجام دیں۔

کسی بھی کام میں کامیابی کے لئے بہترین پلاننگ اور منصوبہ بندی ہے۔

کسی بھی مشن اور کام میں کامیابی یہ ہے کہ ذمہ داریاں ان لائق و اہل اور باصلاحیت لوگوں کو سونپا جائے ہے جو انہیں سرانجام دینے کی قدرت رکھتے ہوں، جنکے پاس تجربہ وصلاحیت ہو اور ایماندار ہوں۔ یہ حقیقت ہجرتِ نبوی میں پوری وضاحت کے ساتھ کھل کر سامنے آئی جب نبی کریم ﷺ نے فرائض وذمہ داریوں کو نہایت حکمت وفراست باریک بینی سے تقسیم فرمایا۔ چناں چہ حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ ہجرت کے رفیقِ سفر ٹھہرے، اور مشرکین کو مغالطے میں رکھنے کے لیے حضرت علی بن ابی طالب رضی اللہ عنہ نبی کریم ﷺ کے بسترِ مبارک پر سوئے۔ حضرت اسماء بنتِ ابی بکر رضی اللہ عنہا نے توشہ (سفر کا کھانا) تیار کرنے کی ذمہ داری سنبھالی، اور حضرت عبداللہ بن ابی بکر رضی اللہ عنہ قریش کی خبریں پہنچایا کرتے تھے، جبکہ حضرت عامر بن فہیرہ رضی اللہ عنہ (اونٹوں کو ہنکا کر) قدموں کے نشانات مٹانے میں اپنا کردار ادا کر رہے تھے۔ دوسری طرف، عبداللہ بن اریقط —— جو کہ ابھی مسلمان نہیں ہوئے تھے —— راستے میں ان کے رہنما اور گائیڈ بنے۔ یہ دقیق اور منظم انتظام اس بات کو نمایاں کرتا ہے کہ کامیابی حاصل کرنے اور مطلوبہ اہداف تک پہنچنے کے لیے محکم منصوبہ بندی اور اہلیت وتجربے کے مطابق ذمہ داریوں کی تقسیم کس قدر اہمیت رکھتی ہے۔

تمام مسلمانوں نے حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ کے عہد میں اجماع کیا تھا کہ سال کا آغاز اور وقت بندی کی ابتدا ہجرت نبوی کے سال سے ہونی چاہیے۔ اس فیصلے کا کتنا عظیم مقصد تھا؟ آج امت کو اس امر کی ضرورت ہے کہ وہ اس مقصد کو یاد کرے اور اس کے مطابق عمل کرے۔ ایسا ہونا اس لیے بھی ضروری ہے کہ آج کچھ فرزندانِ امت اپنی تاریخوں اور خوشیوں کے مواقع میں غیروں کی تقلید اور مشابہت اختیار کرنے کے فتنے میں مبتلا ہو چکے ہیں۔ اسلام کی عزت کہاں چلی گئی؟؟! مسلمان کا تشخص کہاں کھو گیا؟ کیا زندگی کی ترغیبات اور لذتوں کے ہجوم میں، غیروں کی نقالی اور غیر اسلامی تہذیب وتمدن کے فتنے میں مبتلا ہو کر پہچان اور شناخت بھی ختم کر دیئے گئے۔ اللہ تعالیٰ ہمیں فکر سلیم عطا فرمائے حرمت والے مہینوں کی قدر کرنے اور ہجرت کے دروس وعبر کو یاد رکھنے کی توفیق ارزانی فرمائے۔ آمین۔

☆☆☆

مولانا آصف تنویر تیمی

کامیاب معلم کے اوصاف اور تدریس کے سنہرے اصول

(بدرالدین ابن جماعہ رحمہ اللہ کی مشہور تالیف ''تذکرۃ السامع والمتکلم'' کی روشنی میں)

اسلام میں تعلیم وتربیت کو غیر معمولی اہمیت حاصل ہے، اسی لیے معلم اور متعلم دونوں کے لیے ایسے آداب مقرر کیے گئے ہیں جن پر عمل کرنے سے تعلیم زیادہ مؤثر اور بابرکت بن جاتی ہے۔

استاد کی ذمہ داری ہے کہ وہ اپنی جسمانی، ذہنی اور نفسیاتی صحت کا خیال رکھے، کیونکہ ایک پریشان، بیمار یا تھکا ہوا معلم اپنا پیغام مؤثر انداز میں نہیں پہنچا سکتا۔ اسے چاہیے کہ طلبہ کے ساتھ ہمیشہ نرمی، محبت اور شفقت سے پیش آئے، سختی، بداخلاقی اور غصے سے اجتناب کرے، خندہ پیشانی سے ان کا استقبال کرے، سلام میں پہل کرے اور عزت واحترام کے ساتھ ان کی دل جوئی کرے۔

اسی طرح طالب علم کی بھی ذمہ داری ہے کہ وہ اپنے استاد کا ادب کرے، مجلس میں باوقار انداز سے بیٹھے، استاد کی طرف پوری توجہ رکھے، اس کی بات غور سے سنے اور اتنی یکسوئی سے سبق حاصل کرے کہ بار بار دہرانے کی ضرورت نہ پڑے۔

ایک اچھا استاد طلبہ کے درمیان محبت، بھائی چارے اور باہمی تعاون کی فضا قائم کرتا ہے۔ وہ ان کے دلوں سے حسد، بغض اور دشمنی کے اسباب دور کرتا ہے اور ایک دوسرے سے محبت اور خیر خواہی پیدا کرنے کی کوشش کرتا ہے۔

استاد کو چاہیے کہ طلبہ کی ہر اچھی صلاحیت کو ابھارے، انہیں ہر ایسے کام کا موقع فراہم کرے جسے وہ انجام دے سکتے ہوں، ان کی کامیابی پر ان کی حوصلہ افزائی کرے اور ان کی تعریف کرنے میں بخل سے کام نہ لے، کیونکہ بروقت حوصلہ افزائی طالب علم کے اعتماد اور ترقی کا اہم ذریعہ ہے۔

تدریس کے دوران نہ تو غیر ضروری طوالت اختیار کی جائے اور نہ اتنا اختصار سے پڑھایا جائے کہ مقصد ہی فوت ہو جائے، بلکہ ہمیشہ طلبہ کی مصلحت اور ان کے علمی فائدے کو سامنے رکھا جائے۔

درس دینے سے پہلے استاد کی تیاری: استاد کو درس سے پہلے اپنے آپ کو ہر اعتبار سے تیار کرنا چاہیے۔ اس کی نیت خالص اللہ تعالیٰ کے لیے ہو اور اس کا مقصد علم کی اشاعت اور طلبہ کی صحیح تعلیم وتربیت ہو۔

اسی طرح جسمانی طور پر بھی وہ اپنے آپ کو تدریس کے لیے تیار رکھے۔ بھوک، پیاس، شدید تھکاوٹ، غنودگی یا ذہنی پریشانی کی حالت میں پڑھانے سے گریز کرے، کیونکہ ایسی کیفیت استاد کی سوچ، توجہ اور یکسوئی کو متاثر کرتی ہے۔

استاد کلاس میں آنے سے پہلے مناسب نظم وضبط کا انتظام کرے، طلبہ کو صحیح ترتیب سے بٹھائے اور ایسا ماحول قائم کرے جس میں ہر طالب علم پوری توجہ کے ساتھ سبق سن سکے۔

اسی طرح وہ درس کے لیے مناسب وقت کا تعین کرے، نہ اس قدر طویل کرے کہ طلبہ اکتا جائیں اور نہ اتنا مختصر کہ مطلوبہ معلومات مکمل نہ ہو سکیں، بلکہ ہر حال میں طلبہ کے مفاد کو مقدم رکھے۔

درس سے پہلے استاد اپنے مضمون کا اچھی طرح مطالعہ کرے، اس کے تمام پہلوؤں پر عبور حاصل کرے اور صرف وہی بات بیان کرے جس کا اسے یقین اور مکمل علم ہو۔ ایسی بات کہنے سے بچنا چاہیے جس کے متعلق اسے صحیح معلومات نہ ہوں۔

استاد کو طلبہ کی ذہنی استعداد اور علمی سطح کو بھی پیش نظر رکھنا چاہیے۔ وہ ایسا سبق منتخب کرے جو ان کی سمجھ کے مطابق ہو اور پہلے سے سوچ لے کہ کن مقامات پر مثال، وضاحت یا کسی تعلیمی ذریعے کی ضرورت پیش آئے گی تاکہ سبق زیادہ آسان اور مؤثر ہو سکے۔

اسی طرح استاد کو ہر طالب علم کے ساتھ یکساں حسنِ سلوک اختیار کرنا چاہیے۔ اگر کوئی طالب علم مجلس میں آئے تو خوش دلی سے اس کا استقبال کرے، اس کی عزت کرے، اس کے حالات دریافت کرے اور محبت بھرے انداز سے اس سے گفتگو کرے۔

استاد کے لیے ضروری ہے کہ وہ تمام طلبہ کے درمیان انصاف کرے۔ محبت، توجہ اور حسنِ سلوک میں کسی ایک کو دوسرے پر ترجیح نہ دے، کیونکہ اس سے دوسرے طلبہ کے دلوں میں حسد، رنجش اور نفرت پیدا ہو سکتی ہے۔ درس دیتے وقت بھی سب کی طرف یکساں توجہ دے اور کسی ایک کو دوسروں پر فوقیت نہ دے۔

استاد کو اپنی ظاہری شخصیت کا بھی خیال رکھنا چاہیے۔ جب وہ درس گاہ میں آئے تو صاف ستھرا، خوش لباس اور باوقار انداز میں آئے۔ اس کا مقصد نمود ونمائش نہیں بلکہ علم کی عزت اور اس کے وقار کو برقرار رکھنا ہونا چاہیے۔

استاد کی ایک اہم ذمہ داری یہ بھی ہے کہ وہ طلبہ میں علم کا شوق پیدا کرے، ان

کی ہمت بڑھائے، انہیں اخلاص کے ساتھ علم حاصل کرنے کی ترغیب دے اور انہیں یہ احساس دلائے کہ علم حاصل کرنے والوں کے لیے اللہ تعالیٰ نے عظیم اجر وثواب اور بلند درجات تیار کر رکھے ہیں۔

اسی طرح بہتر یہ ہے کہ استاد ہر اہم نکتے یا عنوان کی وضاحت کے بعد کچھ دیر توقف کرے تاکہ طلبہ سوچ سکیں، سوال پوچھ سکیں اور اگر کوئی بات سمجھ میں نہ آئی ہو تو اس کی وضاحت حاصل کر سکیں۔

استاد کو غیر ضروری ضمنی گفتگو سے پرہیز کرنا چاہیے، کیونکہ اس سے طلبہ کی توجہ منتشر ہوتی ہے۔ اگر دورانِ سبق کوئی ایسا سوال سامنے آجائے جس کا تعلق موجودہ موضوع سے نہ ہو تو مناسب ہوگا کہ اس کا جواب کسی دوسرے وقت دیا جائے۔

کلاس کا ماحول ہمیشہ پرسکون، باوقار اور علمی ہونا چاہیے۔ شور وغوغا، بلند آواز میں جھگڑا، سخت بحث یا ایسی گفتگو جس سے بے ادبی یا دل آزاری پیدا ہو، اس سے مکمل اجتناب کیا جائے۔

امام ابن جماعہ رحمہ اللہ کے نزدیک تدریس کا کوئی ایک مخصوص طریقہ مقرر نہیں کیا جا سکتا، کیونکہ ہر مضمون، ہر استاد اور ہر جماعت کے حالات مختلف ہوتے ہیں۔ البتہ چند ایسے بنیادی اصول ہیں جن کا ہر معلم کو خیال رکھنا چاہیے تاکہ تعلیم زیادہ مؤثر اور نتیجہ خیز بن سکے۔

سب سے پہلے استاد کو اپنی آواز پر مناسب کنٹرول رکھنا چاہیے۔ جہاں ضرورت ہو وہاں آواز بلند کرے اور جہاں مناسب ہو وہاں نرم لہجہ اختیار کرے۔ نہ بہت دھیمی آواز ہو کہ طلبہ سن نہ سکیں اور نہ اتنی بلند کہ ناگوار محسوس ہو۔ گفتگو میں ٹھہراؤ، اعتدال اور وقار ہونا چاہیے۔

تدریس کے دوران استاد برابر اس بات کا جائزہ لیتا رہے کہ طلبہ سبق سمجھ رہے ہیں یا نہیں۔ اس مقصد کے لیے مناسب وقفوں پر سوالات کرے، ان سے سبق دہرانے یا کسی مسئلے کی وضاحت کرنے کو کہے، تاکہ معلوم ہو جائے کہ سبق ان کے ذہن نشین ہوا ہے یا مزید وضاحت کی ضرورت ہے۔

اگر کوئی طالب علم اپنی صلاحیت کا صحیح اندازہ نہ لگا سکے اور اپنی طاقت سے زیادہ بوجھ اٹھانے کی کوشش کرے تو استاد کا فرض ہے کہ وہ نرمی اور خیر خواہی کے ساتھ اس کی رہنمائی کرے، اسے اعتدال کا راستہ دکھائے اور اس کی ذہنی وعلمی استعداد کے مطابق آگے بڑھنے کی تلقین کرے۔ کیونکہ ضرورت سے زیادہ بوجھ بعض اوقات طالب علم کو مایوسی اور تھکن میں مبتلا کر دیتا ہے۔

اس کے برعکس اگر کوئی ذہین اور باصلاحیت طالب علم کسی علمی مسئلے کے بارے میں سوال کرے تو استاد کو اس کی حوصلہ شکنی نہیں کرنی چاہیے اور نہ ہی اس کے سوال کو نظر انداز کرنا چاہیے۔ بلکہ محبت سے اس کی رہنمائی کرے، کیونکہ کسی طالب علم کی علمی جستجو کو دبانا اس کے شوقِ علم کو ختم کر سکتا ہے اور اس کے دل میں نفرت یا بددلی پیدا ہو سکتی ہے۔

اگر کوئی طالب علم کم ذہین ہو یا کسی بات کو جلد نہ سمجھ سکے تو استاد کو اس پر ناراض ہونے کے بجائے صبر سے کام لینا چاہیے۔ وہ سبق دوبارہ سمجھائے، مختلف مثالوں سے وضاحت کرے اور اس وقت تک رہنمائی کرتا رہے جب تک طالب علم بات کو اچھی طرح سمجھ نہ لے۔ یہی ایک مخلص معلم کی پہچان ہے۔

امام ابن جماعہ رحمہ اللہ کے نزدیک ایک بہترین استاد وہ ہے جو تعلیم کے آداب کا پابند ہو، علم کو دنیا کمانے کا ذریعہ نہ بنائے، بلکہ اسے اللہ تعالیٰ کی رضا اور امت کی خدمت کا وسیلہ سمجھے۔ وہ شہرت، منصب، مال یا دوسروں پر برتری حاصل کرنے کی نیت سے علم حاصل نہ کرے، بلکہ ہمیشہ اخلاص کو اپنا شعار بنائے۔

ایک معلم کو اپنے طلبہ سے مضبوط تعلق قائم رکھنا چاہیے۔ اگر کوئی طالب علم معمول سے زیادہ غیر حاضر رہنے لگے تو اس کے حالات معلوم کرے، اور اگر وہ بیمار ہو تو اس کی عیادت کرے یا کسی کے ذریعے اس کی خبر گیری کرے۔ اس حسنِ سلوک سے طلبہ کے دلوں میں استاد کی محبت اور اعتماد پیدا ہوتا ہے اور وہ دل لگا کر تعلیم حاصل کرتے ہیں۔

استاد کو طلبہ کے ساتھ شفقت اور مہربانی کا برتاؤ کرنا چاہیے۔ ان کے مسائل کو اپنے مسائل سمجھے، ان کے فائدے کی فکر کرے، ان پر صبر کرے اور ان کے ساتھ ایسا رویہ اختیار کرے جیسے ایک شفیق باپ اپنی اولاد کے ساتھ کرتا ہے۔ اسے چاہیے کہ طلبہ کے ساتھ تواضع اختیار کرے، غرور اور تکبر سے بچے، اور ان کے ساتھ محبت، عزت اور وقار کے ساتھ پیش آئے۔

امام ابن جماعہ رحمہ اللہ مزید فرماتے ہیں کہ طالب علم کی کامیابی میں چند امور نہایت معاون ثابت ہوتے ہیں۔ نوجوانی کے قیمتی زمانے کو غنیمت جاننا، فضول مشاغل اور غیر ضروری میل جول سے بچنا، شادی سے پہلے زیادہ سے زیادہ علم حاصل کرنا، وقت کو منظم انداز میں تقسیم کرنا، اساتذہ سے بھرپور استفادہ کرنا، اور مناسب غذا وآرام کا اہتمام کرنا، یہ سب چیزیں طالب علم کی علمی ترقی میں اہم کردار ادا کرتی ہیں۔

اسی طرح علم حاصل کرنے کے مؤثر ذرائع میں باقاعدہ درس، سوال وجواب، مذاکرہ، علمی مناظرہ، تحقیق اور تصنیف شامل ہیں۔ ان ذرائع سے نہ صرف معلومات میں اضافہ ہوتا ہے بلکہ انسان کی علمی صلاحیتیں بھی پروان چڑھتی ہیں اور تحقیق وتدبر کا ذوق پیدا ہوتا ہے۔

امام ابن جماعہ رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ ایک حقیقی معلم وہ ہے جو تعلیم کو دنیا کمانے

کا ذریعہ نہ بنائے۔ انبیائے کرام علیہم السلام کے بعد علماء ہی ان کے وارث ہیں، اور جس طرح انبیاء کا مشن لوگوں کی تعلیم وتربیت تھا، اسی طرح علماء کی بھی یہی ذمہ داری ہے۔ اسی لیے ایک استاد کو اپنے اخلاق، کردار، وقار اور طرزِ زندگی کو اس منصب کے شایانِ شان بنانا چاہیے، اور اس وقت تک تدریس کی ذمہ داری قبول نہیں کرنی چاہیے جب تک وہ اس کا اہل نہ بن جائے۔

ایک کامیاب معلم کے لیے ضروری ہے کہ وہ اپنے مضمون پر مکمل عبور رکھتا ہو، اپنے فن کی باریکیوں سے واقف ہو، مسلسل مطالعہ کرتا رہے، اہلِ علم کی صحبت اختیار کرے، تحقیق وجستجو کا ذوق برقرار رکھے اور ہمیشہ اپنے علمی سرمایہ میں اضافہ کرتا رہے۔ اسے کبھی یہ خیال نہیں کرنا چاہیے کہ اب وہ علم سے بے نیاز ہوگیا ہے، بلکہ خواہ اس سے چھوٹا شخص ہی کیوں نہ ہو، اگر اس کے پاس کوئی مفید بات ہو تو اسے قبول کرنے میں جھجک محسوس نہ کرے۔

جب استاد اپنے مضمون میں مہارت حاصل کر لے تو اسے صرف تدریس پر اکتفا نہیں کرنا چاہیے بلکہ تحقیق، مطالعہ اور تصنیف کا سلسلہ بھی جاری رکھنا چاہیے۔ علمی کتابوں کا بار بار مطالعہ، ان کا جائزہ لینا اور نئی تحقیقات سے فائدہ اٹھانا اس کی علمی ترقی کا ذریعہ بنتا ہے۔ اس سے حافظہ مضبوط ہوتا ہے، ذہن میں تازگی رہتی ہے اور علمی صلاحیتیں مزید نکھرتی ہیں۔ اگر وہ تصنیف کرے تو عبارت واضح، ترتیب عمدہ اور تحقیق مضبوط ہونی چاہیے تاکہ اس کی علمی کاوش دوسروں کے لیے بھی مفید ثابت ہو۔

استاد کے لیے صرف اپنے مضمون کا ماہر ہونا کافی نہیں، بلکہ اسے عام معلومات اور وسیع انسانی ثقافت سے بھی آراستہ ہونا چاہیے، کیونکہ ایک معلم معاشرے کا رہنما ہوتا ہے۔ اگر اس کے پاس صرف تخصص ہو اور عمومی معلومات نہ ہوں تو وہ طلبہ کی ہمہ جہت تربیت نہیں کرسکتا۔ تعلیم کا مقصد صرف معلومات دینا نہیں بلکہ انسان کی عقل، اخلاق، کردار، عادات اور شخصیت کی تعمیر بھی ہے۔ اسی لیے معلم کو مختلف علوم سے واقفیت حاصل کرنی چاہیے اور ہر علم میں کم از کم بنیادی معلومات ضرور رکھنی چاہییں۔

اسی طرح استاد کو اپنے طلبہ کے مزاج، حالات، صلاحیتوں، دلچسپیوں اور ذہنی سطح سے بھی واقف ہونا چاہیے۔ ہر طالب علم کی استعداد مختلف ہوتی ہے، اس لیے سب کے ساتھ ایک جیسا طریقہ اختیار کرنا درست نہیں۔ ایک کامیاب معلم ہر طالب علم کی فطری صلاحیت کو پہچانتا ہے، اس کے مطابق اس کی رہنمائی کرتا ہے اور کبھی بھی اس پر اس کی طاقت سے زیادہ بوجھ نہیں ڈالتا۔ امام ابن جماعہ رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ استاد پہلے طالب علم کی ذہنی صلاحیت اور استعداد کو اچھی طرح سمجھے، پھر اسی کے مطابق اسے آگے بڑھائے۔

آخر میں امام ابن جماعہ رحمہ اللہ اپنے تعلیمی نظریات کا خلاصہ بیان کرتے ہوئے فرماتے ہیں کہ تعلیمی عمل کا بنیادی ستون معلم ہے۔ استاد کے بغیر تعلیم کا مقصد پورا نہیں ہوسکتا۔ اسی حقیقت کو واضح کرتے ہوئے امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ کا ایک واقعہ نقل کیا جاتا ہے کہ ایک مرتبہ انہوں نے مسجد میں کچھ لوگوں کو فقہ پر گفتگو کرتے دیکھا۔ دریافت فرمایا: "کیا ان کا کوئی استاد بھی ہے؟" لوگوں نے جواب دیا: "نہیں۔" اس پر امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ نے فرمایا: "یہ لوگ کبھی صحیح فقہ حاصل نہیں کر سکتے۔"

اس واقعہ سے معلوم ہوتا ہے کہ علم کے حصول کے لیے ایک باصلاحیت، بااخلاق اور ماہر استاد کی رہنمائی ناگزیر ہے۔ اس لیے معلم کا انتخاب نہایت سوچ سمجھ کر کرنا چاہیے، کیونکہ تعلیم کے تمام مقاصد کی کامیابی ایک صالح اور اہل استاد ہی کے ذریعے ممکن ہے۔

خلاصہ کلام: امام ابن جماعہ رحمہ اللہ کے نزدیک ایک مثالی معلم وہ ہے جو اخلاص، تقویٰ، حسنِ اخلاق، عدل، شفقت، صبر، تواضع، وسیع علمی مطالعہ، مسلسل تحقیق اور بہترین تدریسی مہارت کا حامل ہو۔ وہ طلبہ کے ساتھ اولاد جیسا سلوک کرے، ان کی علمی واخلاقی تربیت کی فکر کرے، ان کی صلاحیتوں کے مطابق تعلیم دے، ان کی حوصلہ افزائی کرے، ان کے حالات سے باخبر رہے اور ہر وقت ان کی خیر خواہی چاہے۔

اسی طرح ایک کامیاب طالب علم وہ ہے جو ادب، محنت، یکسوئی، وقت کی قدر، اساتذہ کا احترام اور مسلسل علمی جدوجہد کو اپنا شعار بنائے۔ جب استاد اور شاگرد دونوں اپنے اپنے فرائض اور آداب کی پابندی کریں گے تو تعلیم اپنے حقیقی مقاصد حاصل کرے گی، علم سے کردار پیدا ہوگا، اور معاشرے کو ایسے افراد میسر آئیں گے جو علم، اخلاق اور عمل تینوں اعتبار سے بہترین نمونہ ہوں۔

☆☆☆

مکتبہ ترجمان کی
نصابی کتابیں

چمن اسلام قاعدہ	36/-
چمن اسلام اول	30/-
چمن اسلام دوم	36/-
چمن اسلام سوم	40/-
چمن اسلام چہارم	40/-
چمن اسلام پنجم	50/-
چمن اسلام مکمل سیٹ	232/-

باطل طریقے سے لوگوں کا مال کھانا۔خطرناکیاں، شکلیں اوران سے بچنے کے طریقے

مولانا عبدالمنان شکراوی، دہلی

آج ہم ایک جان لیوا بیماری اور لاعلاج مرض کی بات کررہے ہیں جس کا خطرہ افراد ومعاشرے پر بہت بڑا ہے اوراس سے بگاڑ وفساد یقینی ہے۔اس مرض میں مبتلا ہونے سے صحت ،وقت ،روزی ،اہل وعیال اورعمر سے برکت ختم ہوجاتی ہے۔اور جوکوئی بھی اس گندگی میں ملوث ہوااس کی دعوت بے کار،مروت ختم ،اخلاق فاسد ،شرم وحیا ختم،نسل برباد اور دنیاوآخرت کاٹوٹا وخسارہ یقینی ہے۔لوگوں کا مال باطل طریقے سے کھانا ایسی خطرناک بیماری ہے جومعاشرہ وسوسائٹی کے لیے ہلاکت وبربادی کا پیش خیمہ ہے۔اس سے حالات بگڑ جاتے ہیں،ظلم کا بول بالا ہوتا ہے۔یہ بیماری جس قوم کولگ جاتی ہے اس میں خیرخواہی کی جگہ دھوکہ دہی،امانت کی جگہ خیانت،انصاف کی جگہ ظلم اورامن وآشتی کی جگہ ڈروخوف ڈیرا ڈال دیتا ہے۔لوگوں کا مال باطل طریقے سے کھانے کا مطلب یہ ہے کہ انسان کسی کا مال ہڑپ لے اور ناحق اس پر قابض ہوجائے۔چوری کرکے،غصب کرکے،ظلم وناانصافی سے،سرکشی کرکے، دھوکہ دہی یا چالبازی سے۔یہ سب اللہ تعالیٰ کی حرام کردہ چیزیں ہیں اوراس نے ان کی خطرناکیوں سے ڈرایا ہے۔چنانچہ ارشاد باری تعالیٰ ہے:يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُواْ لاَ تَأْكُلُواْ أَمْوَالَكُمْ بَيْنَكُمْ بِالْبَاطِلِ إِلاَّ أَن تَكُونَ تِجَارَةً عَن تَرَاضٍ مِّنكُمْ (النساء:۲۹) ترجمہ:''اے ایمان والو! اپنے آپس کے مال ناجائز طریقے سے مت کھاؤ مگر یہ کہ تمہاری آپس کی رضامندی سے ہوخریدوفروخت۔''

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:ہرمسلمان پر(دوسرے) مسلمان کا خون ، مال اورعزت حرام ہیں۔(مسلم)دوسری حدیث میں حضرت ابوبکرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے خطبۂ حجۃ الوداع کے دوران فرمایا:تمہارے خون اورتمہارے مال اورتمہاری آبروئیں تم پرحرام ہیں جس طرح تمہارے آج کے دن کی حرمت تمہارے اس مہینے میں۔سن لو!یہ خبرحاضرغائب کوپہنچادے۔(بخاری ومسلم)

باطل طریقے سے مال کھانے کی صورتیں :اس کی بہت سی شکلیں وصورتیں ہیں جن سب کواسلام نے حرام قراردیا ہے اورلوگوں کی اس سے حفاظت فرمائی ہے کیونکہ اس سے بھاری خطرات لاحق ہوتے ہیں اوردنیا وآخرت میں سنگین نتائج مرتب ہوتے ہیں۔

چوری اورلوٹ پاٹ :آج اس بیماری سے ہمارا معاشرہ جوجھ رہا ہے۔لوگوں کے مال ہڑپ لیے جاتے ہیں اورہتھیار دکھا کرلوٹ پاٹ کی جاتی ہے۔اورقتل کرنے،زخمی کرنے اورصورت بگاڑنے جیسے گھٹیا ترین جرائم کا ارتکاب کیا جاتا ہے۔اسی لیے اللہ تعالیٰ نے اس سلسلہ میں سختی کارویہ اختیار کیا ہے اوراس کے لیے حدود مقرر کردیے ہیں چنانچہ ارشاد باری تعالیٰ ہے:وَالسَّارِقُ وَالسَّارِقَةُ فَاقْطَعُواْ أَيْدِيَهُمَا جَزَاء بِمَا كَسَبَا نَكَالاً مِّنَ اللّهِ وَاللّهُ عَزِيزٌ حَكِيمٌ (المائدۃ:۳۸) ترجمہ:''چوری کرنے والا مرد اورعورت کے ہاتھ کاٹ دیا کرو۔یہ بدلہ ہے اس کا جوانہوں نے کیا،عذاب اللہ کی طرف سے اوراللہ تعالیٰ قوت والا اورحکمت والا ہے۔''

اورصحیحین میں حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:اللہ تعالیٰ نے چورپرلعنت بھیجی کہ ایک انڈا چراتا ہے اوراس کا ہاتھ کاٹ لیا جاتا ہے،ایک رسی چراتا ہے اس کا ہاتھ کاٹ لیا جاتا ہے۔

زمین پر ناجائز قبضہ :جب اللہ کا ڈرنہیں رہتا توطاقت وقوت اور حیلہ بہانہ انسان کے لیے وبال جان بن جاتا ہے وہ اسے ظلم وسرکشی کے لیے استعمال کرتا ہے اوردوسروں کا مال ناحق ہڑپنے اوران کے حقوق ہضم کرنے میں لگا تا ہے۔اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے زمین ہڑپنے کی سخت وعید بیان فرمائی ہے جیسا کہ حضرت ابن عمررضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:جس شخص نے ناحق کسی زمین کا تھوڑا سا حصہ بھی لے لیا،تو قیامت کے دن اسے سات زمینوں تک دھنسایا جائے گا۔(بخاری)اورصحیح مسلم میں حضرت علی بن ابی طالب سے مروی ہے کہ اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:جس شخص نے زمین(کی حدبندی) کا نشان بدلا اس پر اللہ لعنت کرے۔''یعنی اسے بدل کراپنے پڑوسی کی زمین کاٹکڑا اپنے حصے میں ملالیا۔

رشوت :رشوت یہ ہے کہ کوئی شخص کسی ذمہ دار کوکچھ دے کر وہ چیز حاصل کرلے جواس کی نہیں ہے۔اس کی بہت سی صورتیں ہیں جن میں سب بڑی یہ ہے کہ کسی کے حقدار کے حق کوختم کردیا جائے یا جواس کا حق نہیں ہے اس کا حقدار بنا جائے۔جس کی شکلوں میں یہ بھی ہے کہ کسی ذمہ دار کوکچھ دے کراپنے حق میں فیصلہ کرایا جائے حالانکہ وہ اس کا حق ہے۔اس کی ایک شکل یہ بھی ہے کہ رشوت دے کروہ چیز حاصل کی جائے جواس کی نہیں ہے یااس کے ذمہ کسی کا کچھ دینا ہے لیکن رشوت دے کروہ اس کا حق دینے سے بچنا چاہتا ہے۔یااس لیے رشوت دی جائے تا کہ اسے دیگر حقداروں پرمقدم کردیا جائے یا اعلیٰ مرتبہ مل جائے۔

اسلام نے رشوت کے لینے اوردینے ،دونوں کوحرام قراردیا ہے اوراس سے بچنے کی تاکید کی ہے۔ارشاد باری تعالیٰ ہے:وَلاَ تَأْكُلُواْ أَمْوَالَكُم بَيْنَكُم بِالْبَاطِلِ وَتُدْلُواْ بِهَا إِلَى الْحُكَّامِ لِتَأْكُلُواْ فَرِيقاً مِّنْ أَمْوَالِ النَّاسِ بِالإِثْمِ وَأَنتُمْ تَعْلَمُونَ (البقرۃ:۱۸۸) ترجمہ:''اورایک دوسرے کا مال ناحق نہ کھایا کرو نہ حاکموں

کو رشوت پہنچا کر کسی کا کچھ مال ظلم وستم سے اپنا کرلیا کرو حالانکہ تم جانتے ہو۔''

حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے رشوت لینے والے اور دینے والے دونوں پر لعنت بھیجی ہے۔ (احمد، ترمذی، ابوداؤد)

رشوت بری کمائی، لوگوں کے مال کو ناحق کھانا، ظلم وسرکشی میں تعاون اور انسان کی عزت وشرافت کی بربادی کا دوسرا نام ہے۔ یہ برائیوں، فساد وبگاڑ، خواہشات نفس کو بے لگام چھوڑ دینا، غبن وجعلسازی، اقتدار کا استحصال، ستم کو دھوکہ دینے کی گھٹیا دعوت ہے جس سے معاشرے وسوسائٹی کی مصلحتیں معطل ہوجاتی ہیں اور ظلم وفساد کا بول بالا ہوتا ہے اور ہر سو فقر وفاقہ، بدبختی پھیل جاتی ہے۔ اسی لیے اسلام نے رشوت کو حرام قرار دیا ہے ۔حتی کہ کوئی ان مقاصد کے لیے کپڑے کا ہی ہدیہ پیش کیوں نہ کرے۔

صحیحین میں حضرت ابوحمید ساعدی رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے قبیلہ اسد کے ایک شخص کو جسے ابن لتبیہ کہا جاتا تھا عامل مقرر کیا۔ جب وہ (زکوۃ وصول کرکے) آیا تو اس نے کہا: یہ آپ لوگوں کے لیے ہے اور یہ مجھے ہدیہ کیا گیا ہے۔ راوی کا بیان ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم منبر پر کھڑے ہوئے اور اللہ کی حمد وثنا بیان کی اور فرمایا: ایک عامل کا حال کیا ہوتا ہے کہ میں اس کو (زکوۃ وصول کرنے) بھیجتا ہوں اور وہ آ کر کہتا ہے: یہ آپ لوگوں کے لیے ہے اور یہ مجھے ہدیہ کیا گیا ہے۔ ایسا کیوں نہ ہو کہ یہ اپنے باپ یا اپنی ماں کے گھر میں بیٹھتا، پھر نظر آتا کہ اسے ہدیہ دیا جاتا ہے یا نہیں؟ اس ذات کی قسم جس کے ہاتھ میں محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی جان ہے! تم میں سے کوئی بھی شخص ایسا نہیں کہ وہ اس (مال) میں سے (اپنے لیے) کچھ لے، مگر وہ قیامت کے دن اس حالت میں آئے گا کہ اس نے اسے اپنی گردن پر اٹھا رکھا ہوگا، قیامت کے دن اونٹ ہوگا۔ بلبلا رہا ہوگا، گائے ہوگی، ڈکرا رہی ہوگی، بکری ہوگی، ممیا رہی ہوگی۔ پھر آپ نے اپنے دونوں ہاتھ اس قدر بلند کیے کہ ہمیں آپ کی دونوں بغلوں کے سفید حصے نظر آئے، پھر آپ نے دو مرتبہ فرمایا: اے اللہ! کیا میں نے (حق) پہنچا دیا؟'' اور بریدہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ہم جس کو کسی کام کا عامل بنائیں اور ہم اس کی کچھ روزی (تنخواہ) مقرر کردیں پھر وہ اپنے مقررہ حصے سے جو زیادہ لے گا تو وہ (مال غنیمت میں) خیانت ہے۔ (ابوداؤد)

خرید و فرخت میں دھوکہ دھی: بہت سے تاجر، لوگوں سے جھوٹ بول کر تجارت کرتے ہیں اور دھوکہ دیتے ہیں اور فروخت میں جھوٹی قسم کھاتے ہیں تاکہ دوسروں کو اپنے سامان کا لالچ دیں۔ یہ ظلم ہے اور لوگوں کا مال باطل طریقے سے کھانا ہے۔ ارشاد نبوی صلی اللہ علیہ وسلم ہے: قیامت کے دن تین قسم کے لوگوں سے اللہ تعالیٰ کلام نہیں کرے گا: منان، یعنی جو احسان جتانے کے لئے کسی کو کوئی چیز دیتا ہے۔ وہ جو جھوٹی قسم کے ذریعے سے اپنے سامان کی مانگ بڑھاتا ہے اور جو اپنا تہبند (ٹخنوں سے نیچے) لٹکاتا ہے۔ (مسلم)

ناپ تول میں کمی: اس معاملے کو بہت سے لوگ معمولی سمجھتے ہیں۔ جب مال بیچیں گے تو کم دیں گے اور جب خریدیں گے تو زائد لیں گے۔ اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے: وَيْلٌ لِّلْمُطَفِّفِينَ الَّذِينَ إِذَا اكْتَالُوا عَلَى النَّاسِ يَسْتَوْفُونَ وَإِذَا كَالُوهُمْ أَو وَّزَنُوهُمْ يُخْسِرُونَ أَلَا يَظُنُّ أُولَئِكَ أَنَّهُم مَّبْعُوثُونَ لِيَوْمٍ عَظِيمٍ يَوْمَ يَقُومُ النَّاسُ لِرَبِّ الْعَالَمِينَ (المطففين: ۱-۶) ترجمہ: ''بڑی خرابی ہے ناپ تول میں کمی کرنے والوں کی۔ کہ جب لوگوں سے ناپ کر لیتے ہیں تو پورا پورا لیتے ہیں۔ جب انہیں ناپ کر یا تول کر دیتے ہیں تو کم دیتے ہیں۔ کیا انہیں مرنے کے بعد اٹھنے کا خیال نہیں۔ اس عظیم دن کے لیے۔ جس دن سب لوگ رب العلمین کے سامنے کھڑے ہوں گے۔''

فروخت کے وقت سامان کا عیب چھپانا: آج بہت سے سامان فروخت کرنے والے اللہ سے نہیں ڈرتے اور جس سامان کو بیچ رہے ہیں اس کا عیب نہیں بتاتے بلکہ مختلف بہانوں سے عیب چھپانے میں پورا زور لگا دیتے ہیں۔ یہ عمل حرام ہے بہت سی احادیث میں نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے اس سے ڈرایا ہے۔ جیسا کہ عقبہ بن عامر رضی اللہ عنہ سے مروی ہے وہ کہتے ہیں کہ میں نے اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم سے سنا آپ فرما رہے تھے: مسلمان، مسلمان کا بھائی ہے لہٰذا کسی مسلمان کے لیے یہ جائز نہیں کہ وہ کسی عیب دار چیز کو بغیر عیب بیان کیے اپنے بھائی کو فروخت کردے۔ (ابن ماجہ، حاکم) اور صحیح مسلم میں ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم غلے کے ایک ڈھیر کے پاس سے گزرے، آپ نے اس میں اپنا ہاتھ ڈالا تو آپ کی انگلیاں تر ہوگئیں۔ آپ نے فرمایا: اے غلے والے یہ کیا ہے؟ کہا: اے اللہ کے رسول! بارش میں بھیگ گیا تھا۔ آپ نے فرمایا: تو نے اس (بھیگے ہوئے) کو غلے کے اوپر کیوں نہیں رکھا کہ لوگ دیکھ لیتے؟ جو دھوکہ دے وہ مجھ میں سے نہیں۔

یتیم کا مال کھانا: جس کسی کے پاس یتیم کا مال ہو تو وہ اس کا مال کھائے یا اسے اس کے سپرد کرنے سے انکار کردے تو یہ بھی لوگوں کا مال باطل طریقے سے کھانے کے زمرے میں آتا ہے۔ اور اللہ تعالیٰ نے اس کی سخت وعید فرمائی ہے۔ ارشاد باری تعالیٰ ہے: إِنَّ الَّذِينَ يَأْكُلُونَ أَمْوَالَ الْيَتَامَى ظُلْماً إِنَّمَا يَأْكُلُونَ فِي بُطُونِهِمْ نَاراً وَسَيَصْلَوْنَ سَعِيراً (النساء: ۱۰) ترجمہ: ''جو لوگ ناحق ظلم سے یتیموں کا مال کھاتے ہیں، وہ اپنے پیٹ میں آگ ہی بھر رہے ہیں اور عنقریب وہ دوزخ میں جائیں گے۔''

لہٰذا جو شخص کسی ایسے یتیم کی دیکھ بھال کا ذمہ دار بنا جس کے پاس مال ہو تو جب وہ یتیم سن رشد کو پہنچ جائے اور اپنے مال کو صحیح طریقے سے خرچ کرسکے تو اس کا مال پورا پورا اس کے حوالے کردے۔ ارشاد باری تعالیٰ ہے: وَابْتَلُوا الْيَتَامَى حَتَّى إِذَا بَلَغُوا النِّكَاحَ فَإِنْ آنَسْتُم مِّنْهُمْ رُشْداً فَادْفَعُوا إِلَيْهِمْ أَمْوَالَهُمْ وَلَا تَأْكُلُوهَا إِسْرَافاً وَبِدَاراً أَن يَكْبَرُوا (النساء: ۶) ترجمہ: ''اور یتیموں کو ان کے بالغ ہونے تک سدھارتے اور آزماتے رہو پھر اگر ان میں تم ہوشیاری اور حسن تدبیر پاؤ تو انہیں ان کے مال سونپ دو اور ان کے بڑے ہوجانے کے ڈر سے انکے مالوں کو جلدی جلدی فضول خرچیوں میں تباہ نہ کرو۔''

دوسری جگہ فرمایا: وَآتُواْ الْيَتَامَى أَمْوَالَهُمْ وَلاَ تَتَبَدَّلُواْ الْخَبِيثَ بِالطَّيِّبِ وَلاَ تَأْكُلُواْ أَمْوَالَهُمْ إِلَى أَمْوَالِكُمْ إِنَّهُ كَانَ حُوباً كَبِيراً (النساء:۲) ترجمہ: ''اور یتیموں کو ان کا مال دے دو اور حلال چیز کے بدلے ناپاک اور حرام چیز نہ لو اور اپنے مالوں کے ساتھ ان کے مال ملا کر کھا نہ جاؤ، بیشک یہ بہت بڑا گناہ ہے۔''

ملازم یا مزدور کا حق مارنا: کام پورا ہونے کے باوجود مزدور وملازم کا حق نہ دیا جانا۔ یہ چاہے ذمہ دار یا مالک کی جانب سے مزدور کے حق کا بالکل انکار ہو یا اس میں کچھ کمی کردی جائے یا طے شدہ کام سے زیادہ کام لیا جائے یا مزدوری اور حق الخدمۃ کی ادائیگی میں ٹال مٹول کیا جائے تو ان سب ظالموں کے لیے دردناک دن کے عذاب میں ہلاکت ہے۔ رب العالمین خود ان کی مظلوموں کی جانب سے جھگڑا کرے گا۔ حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: تین قسم کے لوگ ایسے ہیں جن کا قیامت میں میں خود مدعی ہوں گا۔ ایک تو وہ شخص جس نے میرے نام پہ عہد کیا، اور پھر وعدہ خلافی کی۔ دوسرا وہ جس نے کسی آزاد آدمی کو بیچ کر اس کی قیمت کھائی اور تیسرا وہ شخص جس نے کسی کا مزدور رکھا، پھر کام تو اس پورا لیا، لیکن اس کی مزدوری نہ دی۔ (بخاری)

قرض ادا نہ کرنا: بعض لوگ قرض تو لے لیتے ہیں لیکن لیتے وقت ہی ادا نہ کرنے یا ٹال مٹول کی نیت ہوتی ہے۔ بندوں کے حقوق کی اللہ کے نزدیک بڑی اہمیت ہے جن کی ادائیگی کے بغیر کوئی چارہ نہیں۔ یہ ادائیگی اس دن کے آنے سے پہلے ہونی ضروری ہے جس دن روپیہ پیسہ سے ادائیگی نہیں ہوگی بلکہ نیکی اور بدی کا لین دین ہوگا۔ ارشاد باری تعالیٰ ہے: إِنَّ اللّهَ يَأْمُرُكُمْ أَن تُؤدُّواْ الأَمَانَاتِ إِلَى أَهْلِهَا (النساء:۵۸) ترجمہ: اللہ تعالیٰ تمہیں تاکیدی حکم دیتا ہے کہ امانت والوں کی امانتیں انہیں پہنچاؤ۔''

بہت سے لوگ بغیر ضرورت قرض لینے میں نرمی کرتے ہیں۔ جو توسیع پسندی یا دوسروں کے ساتھ ملے رہنے کی بنا پر ہوتا ہے۔ قرض لینے میں نرمی، ادائیگی میں ٹال مٹول یا دوسروں کے مال کی بربادی کا سبب بنتی ہے۔ حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے اس عمل کے انجام پر متنبہ کرتے ہوئے فرمایا: جو شخص لوگوں کا مال ادائیگی کی نیت سے لیتا ہے، اللہ تعالیٰ اس کی ادائیگی کرا دے گا اور جس نے برباد کرنے کی نیت سے لیا اللہ اسے برباد کردے گا۔ (بخاری)

بغیر ضرورت لوگوں کے سامنے دست سوال دراز کرنا: جیسا کہ بعض لوگ کاروباریوں کا چکر لگاتے رہتے ہیں اور یہ دعویٰ کرتے ہیں کہ وہ زکوۃ کے مستحق ہیں حالانکہ ان کا یہ دعویٰ جھوٹا ہے۔ یا مسجدوں اور راستوں میں لوگوں کے سامنے دست سوال دراز کرتے ہیں حالانکہ وہ سچے نہیں ہوتے، تو یہ لوگوں کا مال باطل طریقے سے کھانے کے زمرے میں آتا ہے۔ ایسے لوگوں کو نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا صحیحین میں وارد یہ فرمان یاد رکھنا چاہیے: جو شخص لوگوں سے سوال کرتا رہتا ہے، وہ قیامت کے دن اس حال میں آئے گا کہ اس کے چہرہ پر گوشت نہ ہوگا۔ اور صحیح مسلم میں حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: جو شخص مال بڑھانے کے لیے لوگوں سے ان کا مال مانگتا ہے وہ آگ کے انگارے مانگتا ہے، کم (اکٹھے) کر لے یا زیادہ کر لے۔''

باطل طریقے سے لوگوں کا مال کھانے سے بچنے کے طریقے:

۱۔ نفس کی تربیت اس انداز میں کی جائے کہ انسان کے دل میں اللہ کا ڈر ہو اور وہ اللہ سے شرم محسوس کرے: کیونکہ جو اللہ تعالیٰ سے ڈرتا ہے اور اس سے شرماتا ہے اور اس کے ذہن ودماغ پر اللہ تعالیٰ کی نگرانی کی احساس ہوتا ہے تو وہ اس کے بندوں پر زیادتی نہیں کرسکتا اور نہ ہی ان کے مال پر دست درازی کرسکتا۔ کیونکہ اسے پتہ ہوتا ہے کہ اس سے اللہ ناراض ہوتا ہے اور اللہ تعالیٰ کی سزا سخت اور اس کا عذاب دردناک ہے۔ وہ یہ بھی جانتا ہے کہ اگر وہ دنیا میں اس کی سزا سے بچ بھی گیا تو قیامت کے دن نجات کی گنجائش ہرگز نہیں ہے۔

۲۔ انسان حلال روزی تلاش کرتا رہے اور حرام سے بے نیاز رہے: اسلام نے مؤمنوں کو پاکیزہ اور جائز چیزوں کے حصول اسی طرح حرام وخبیث اور ناپسندیدہ چیزوں سے بچنے کی ترغیب دی ہے اور اور مشتبہ چیزوں کے چھوڑنے کا حکم دیا ہے۔ حلال چیزیں حرام چیزوں سے بے نیاز کردیتی ہیں، ایسا نہیں کہ ان کے بغیر کوئی چارہ نہیں۔ چنانچہ ارشاد باری تعالیٰ ہے: **یاایھا الذین امنوا کلوا من طیبات ما رزقناکم واشکروا للہ ان کنتم ایاہ تعبدون۔** (البقرۃ:۱۷۲) ترجمہ: ''اے ایمان والو! جو پاکیزہ روزی ہم نے تمہیں دے رکھی ہیں انہیں کھاؤ پیو اور اللہ تعالیٰ کا شکر کرو۔ اگر تم خاص اسی کی عبادت کرتے ہو۔''

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: اے لوگو! بیشک اللہ تعالیٰ پاک ہے اور پاک (مال) کے سوا (کوئی مال) قبول نہیں کرتا، اللہ نے مومنوں کو بھی اسی بات کا حکم دیا ہے جس کا رسولوں کو حکم دیا، اللہ تعالیٰ نے فرمایا: **یاایھا الرسل کلوا من الطیبات واعملوا صالحا انی بما تعملون علیم۔** اے پیغمبرو! پاک چیزیں کھاؤ اور نیک کام کرو، جو عمل تم کرتے ہو، میں اسے اچھی طرح جاننے والا ہوں اور فرمایا: **یاایھا الذین آمنوا کلو من طیبات ما رزقناکم۔** اے مؤمنو! جو پاک رزق ہم نے تمہیں عنایت فرمایا ہے، اس میں سے کھاؤ۔ پھر آپ نے ایک آدمی کا ذکر کیا جو طویل سفر کرتا ہے، بال پراگندہ اور جسم غبار آلود ہے۔ (دعا کے لیے) آسمان کی طرف اپنے دونوں ہاتھ پھیلاتا ہے، اے میرے رب! اے میرے رب! جبکہ اس کا کھانا حرام کا ہے، اس کا پینا حرام کا ہے، اس کا لباس حرام کا ہے اور اس کو غذا حرام کی ملی ہے، تو اس کی دعا کہاں سے قبول ہوگی۔ (مسلم)

اور صحیحین میں نعمان بن بشیر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے، وہ کہتے ہیں کہ میں نے اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم سے سنا آپ فرما رہے تھے: بلاشبہ حلال واضح ہے اور حرام واضح ہے اور ان دونوں کے درمیان شبہات ہیں، لوگوں کی بڑی تعداد ان کو نہیں جانتی، جو شبہات سے بچا اس نے اپنے دین اور عزت کو بچا لیا اور جو شبہات میں

(بقیہ صفحہ ۲۹ پر)

پندرہ روزہ جریدہ ترجمان دہلی

ڈاکٹر عبدالحلیم بسم اللہ مدنی
استاذ حدیث جامعہ سلفیہ، بنارس

کیا اجنبی مردوں کے سامنے عورت کی آواز پردہ ہے؟

اس مسئلے میں صحیح بات یہ ہے کہ عورت کی آواز بذاتِ خود پردہ (عورۃ) نہیں ہے، عورت کو خرید وفروخت، عدالت میں گواہی، اہلِ علم سے سوال، اور اپنی عام زندگی کے معاملات میں گفتگو کی ضرورت پیش آتی ہے، اور شریعتِ اسلامیہ نے اسے ان تمام چیزوں کی اجازت مرحمت فرمائی ہے، اگر اس کی آواز فی نفسہ پردہ ہوتی تو یہ سب امور ایک مسلمان عورت کے لیے جائز نہ ہوتے۔ شریعت نے جس چیز سے منع کیا ہے وہ یہ ہے کہ عورت غیر محرم مردوں کے سامنے نرم، لچک دار، یا دل موہ لینے والے انداز میں بات کرے، کیونکہ یہ انداز فتنے کا سبب بن سکتا ہے۔ اس مسئلے کی تفصیل یہ ہے:

اول: عورت کی آواز بذاتِ خود پردہ نہیں ہے اس کے دلائل درج ذیل ہیں:

1- نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی ازواجِ مطہرات، جو سب سے زیادہ پاکیزہ عورتیں تھیں، وہ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم سے پردے کے پیچھے گفتگو کرتی تھیں، جب صحابہ کرام رضی اللہ عنہم ان سے کسی مسئلے کے متعلق استفسار کرتے، تاکہ وہ صحابہ کرام کو دین کی باتیں، خصوصا نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی وہ حدیثیں بتاسکیں جو آپ صلی اللہ علیہ وسلم اپنے گھر میں اپنی ازواج مطہرات کے ساتھ انجام دیا کرتے تھے۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا: وَإِذَا سَأَلْتُمُوهُنَّ مَتَاعاً فَاسْأَلُوهُنَّ مِن وَرَاءِ حِجَابٍ [الاحزاب:53] ''اور جب تم ان سے کوئی چیز مانگو تو پردے کے پیچھے سے مانگو''۔

اگر عورت کی آواز پردہ ہوتی تو عورتوں کو مکمل خاموش رہنے کا حکم دیا جاتا۔

اسی طرح اللہ تعالیٰ نے فرمایا: فَلَا تَخْضَعْنَ بِالْقَوْلِ فَيَطْمَعَ الَّذِي فِي قَلْبِهِ مَرَضٌ وَقُلْنَ قَوْلاً مَّعْرُوفاً [الاحزاب:32] ''تم بات کرنے میں نرمی اور لچک پیدا نہ کرو کہ جس کے دل میں بیماری ہے وہ لالچ میں پڑ جائے، بلکہ بھلی بات کہو''۔

یہاں اللہ تعالیٰ نے یہ نہیں فرمایا کہ ''بات نہ کرو''، بلکہ ''نرم انداز میں بات کرنے'' سے منع فرمایا، پھر خود ''بھلی بات کہو'' کا حکم دیا۔ اس سے معلوم ہوا کہ اصل گفتگو جائز ہے، البتہ اس کا انداز شریعت کے مطابق ہونا چاہیے۔

2- صحابیات نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے براہِ راست اپنے دینی مسائل پوچھتی تھیں، حتیٰ کہ حیض وطہارت جیسے باریک مسائل بھی، اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم انہیں جواب دیتے تھے۔

خولہ بنت ثعلبہ رضی اللہ عنہا نے اپنے شوہر کی شکایت نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے کی، اور اللہ تعالیٰ نے ان کی بات سن کر سورہ مجادلہ نازل فرمائی۔ عائشہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ میں ان کی بعض باتیں پوری طرح نہ سن سکی، مگر اللہ تعالیٰ نے سب کچھ سن لیا۔

صحیح بخاری (7215) میں ام عطیہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے، وہ فرماتی ہیں: ''ہم نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے بیعت کی، تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ہمیں یہ آیت پڑھ کر سنائی کہ ہم اللہ کے ساتھ کسی کو شریک نہ ٹھہرائیں''

اور نبی صلی اللہ علیہ وسلم عورتوں سے کلام کے ذریعے زبانی بیعت کرتے تھے جیسا کہ صحیح بخاری (7214) میں ام المؤمنین عائشہ رضی اللہ عنہا نے اس امر کی تصریح کی ہے۔

حافظ ابن حجر عسقلانی رحمہ اللہ نے فتح الباری (13/204) میں اس حدیث کی شرح میں فرمایا: ''وفي الحديث أن كلام الأجنبية مباح سماعه وأن صوتها ليس بعورة'' ''اس حدیث سے معلوم ہوتا ہے کہ اجنبی عورت کی گفتگو سننا جائز ہے، اور اس کی آواز بذاتِ خود پردہ (عورہ) نہیں ہے''۔

اسی طرح صحیح بخاری (5228) صحیح مسلم (1866) میں عائشہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے، وہ فرماتی ہیں: جب عورتیں اپنی زبان سے ان شرائط کا اقرار کرلیتیں تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ان سے فرماتے: ''جاؤ، میں نے تم سے زبانی بیعت لے لی''۔

امام نووی رحمہ اللہ نے المنہاج (13/10) میں اس حدیث کی شرح میں فرمایا: ''وفيه أن كلام الأجنبية يباح سماعه عند الحاجة وأن صوتها ليس بعورة'' ''اس حدیث سے معلوم ہوتا ہے کہ ضرورت کے وقت اجنبی عورت کی گفتگو سننا جائز ہے، اور اس کی آواز بذاتِ خود پردہ (عورۃ) نہیں ہے''۔

علامہ ابن باز رحمہ اللہ فرماتے ہیں: ''عورت کی آواز اس وقت پردہ (عورۃ) ہے جب اس میں نرمی، لچک اور دل لبھانے والا انداز ہو، لیکن اس کی عام اور معمول کی آواز پردہ نہیں ہے۔ اس کی دلیل اللہ تعالیٰ کا یہ فرمان ہے: ''اے نبی کی بیویو! تم عام عورتوں کی طرح نہیں ہو، اگر تم اللہ سے ڈرتی ہو تو بات کرنے میں نرمی اور دلکشی اختیار نہ کرو، ورنہ وہ شخص جس کے دل میں بیماری ہے، لالچ میں پڑ جائے گا، اور سیدھی، معروف بات کیا کرو''۔ (سورۃ الاحزاب: 32) چنانچہ اللہ تعالیٰ نے ازواجِ مطہرات کو بات کرتے وقت نرم، دل لبھانے والے انداز سے منع فرمایا، تاکہ جن لوگوں کے دل شہوانی خواہشات کی بیماری میں مبتلا ہیں، وہ ان کی طرف مائل نہ ہوں۔ البتہ اللہ تعالیٰ نے معروف، باوقار اور سادہ انداز میں گفتگو کرنے کی اجازت دی ہے۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانے میں عورتیں آپ صلی اللہ علیہ وسلم سے گفتگو کرتی

تھیں، آپ سے سوالات پوچھتی تھیں، اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے انہیں اس سے منع نہیں فرمایا۔ اسی طرح صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے دور میں بھی عورتیں صحابہ کرام رضی اللہ عنہم سے بات کرتی تھیں، دینی مسائل دریافت کرتی تھیں، اور صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے بھی انہیں اس سے نہیں روکا۔ یہ بات معروف اور ثابت شدہ ہے، اور اس میں کسی قسم کا کوئی شبہ نہیں‘‘۔ مجموع فتاوی ابن باز (5/ 231)۔

علامہ ابن عثیمین رحمہ اللہ فرماتے ہیں: ’’عورت کی آواز پردہ نہیں ہے، کیونکہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانے میں عورتیں آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوکر مردوں کی موجودگی میں اپنے دینی مسائل پوچھا کرتی تھیں، اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے انہیں اس سے منع نہیں فرمایا۔ اگر عورت کی آواز بذاتِ خود پردہ ہوتی تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ضرور اس سے منع فرماتے۔ لہٰذا عورت کی آواز فی نفسہ پردہ نہیں ہے، البتہ کسی مرد کے لیے یہ جائز نہیں کہ وہ عورت کی آواز سے لذت حاصل کرے، خواہ وہ جنسی شہوت کی لذت ہو یا محض دل کی خوشی اور نفسانی لطف اندوزی کی غرض سے ہو۔ اگر وہ عورت اس کے لیے اجنبی (غیر محرم) ہو تو اسے صرف اتنی ہی بات سننی چاہیے جتنی ضرورت پیش آئے، اس سے زیادہ نہیں‘‘۔ فتاوی نور علی الدرب- ابن عثیمین رحمہ اللہ (12/42)

سعودی عرب کی افتاء کمیٹی کا فتوی ہے: ’’عورت کی آواز مطلقاً پردہ نہیں ہے، کیونکہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانے میں عورتیں آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس اپنی شکایات پیش کرتی تھیں، اسلام سے متعلق مسائل دریافت کرتی تھیں، اور یہی عمل خلفائے راشدین رضی اللہ عنہم اور ان کے بعد کے حکمرانوں کے زمانے میں بھی جاری رہا۔ اسی طرح عورتیں اجنبی مردوں کو سلام کرتی تھیں اور وہ ان کے سلام کا جواب دیتے تھے، اور ائمہ اسلام میں سے کسی نے بھی اس پر نکیر نہیں کی۔ البتہ عورت کے لیے یہ جائز نہیں کہ وہ گفتگو میں بناوٹ، ناز و انداز، یا دل لبھانے والا لہجہ اختیار کرے، اور نہ ہی وہ ایسی نرم و دلکش آواز میں بات کرے جس سے فتنے کا اندیشہ ہو۔ بلکہ اسے سنجیدگی، وقار اور معروف انداز میں گفتگو کرنی چاہیے‘‘۔ فتاوی اللجنۃ الدائمۃ للبحوث والافتاء (6/85)

دوم: عورت کی آواز کب ممنوع قرار پاتی ہے؟ عورت کی آواز اس وقت ممنوع اور پردہ (عورۃ) میں شمار ہوتی ہے جب وہ فتنہ کا سبب بن جائے، اور یہ دو بنیادی صورتوں میں ہوتا ہے:

1۔ قول میں نرمی اور دلکشی اختیار کرنا: یہی بات قرآنِ کریم کی آیت فَلَا تَخضَعنَ بِالقَولِ میں مراد ہے، یعنی عورت اپنی آواز کو اس انداز سے نرم، شیریں اور دلکش بنائے کہ مردوں کے جذبات بھڑکیں اور جن کے دل میں مرض ہو، وہ لالچ میں پڑ جائیں۔

2۔ بلا ضرورت آواز بلند کرنا: جیسے عام بات چیت میں آواز کو بلا ضرورت بلند کرنا، اسی لیے خواتین کے لیے اذان یا اقامت کے کلمات پکارنا مشروع نہیں ہے۔ کیونکہ یہ عورت کا کام نہیں، اور اس سے فتنہ پیدا ہونے کا اندیشہ ہوتا ہے۔

سوم: اجنبی مردوں کے سامنے عورت کی تلاوتِ قرآن کا حکم

اگر عورت اپنی جہری نماز (مثلاً گھر میں نماز) میں قرآن کی تلاوت کر رہی ہو اور اس کی آواز اس کے محرم مرد (جیسے والد، بھائی یا بیٹا) سن لیں تو اس میں کوئی حرج نہیں۔ البتہ اگر وہ غیر محرم مردوں کے سامنے تلاوت کرے تو اس کی دو صورتیں ہیں:

1- تعلیم یا تعلم کی غرض سے: مثلاً وہ کسی شیخ کے سامنے اپنی تلاوت کی تصحیح کے لیے قرآن پڑھے، یا وہ چھوٹے بچوں کو قرآن پڑھانے والی معلّمہ ہو، تو شرعی ضوابط کی پابندی کے ساتھ مثلاً پردے کے پیچھے ہو یا خلوت نہ ہو، تلاوت سنجیدگی، وقار اور متانت کے ساتھ ہو، اس میں آواز کو نرم یا دلکش انداز میں نہ بنایا جائے۔ تو یہ جائز ہے۔

2۔ محض اپنی خوش الحان آواز سنانے یا تلاوت کی آواز سے لطف اندوز کرانے کی غرض سے:

تو یہ ناجائز ہے کیونکہ یہ فتنے کا بہت بڑا ذریعہ ہے، اور یہ قرآنِ کریم میں مذکور ’’قول میں نرمی اختیار کرنے‘‘ کی ممانعت کے ضمن میں آتا ہے، مرد کو قرآن اس لیے سننے کا حکم دیا گیا ہے کہ وہ اس میں غور و فکر کرے، لیکن جب اس کے ساتھ کسی اجنبی عورت کی آواز سے لطف اندوز ہونے کا پہلو بھی شامل ہو جائے تو شیطان کے لیے فتنہ کا دروازہ کھل جاتا ہے، اسی وجہ سے فقہائے کرام نے اس باب کو بند کرنے کی تاکید کی ہے۔

شیخ محمد بن صالح ابن عثیمین رحمہ اللہ سے سوال کیا گیا:

’’اسکولوں اور کالجوں میں طالبات کا، استاد کے سامنے قرآنِ کریم کی تلاوت کرتے وقت خوبصورت آواز کے ساتھ پڑھنا، حالانکہ ان سے اس کا مطالبہ بھی نہیں کیا جاتا، اس کا کیا حکم ہے؟‘‘ تو آپ رحمہ اللہ نے جواب دیا:

’’لا أرى أن تُحَسِّنَ صوتَها؛ لأن الله تعالى أقول: فَلَا تَخْضَعْنَ بِالْقَوْلِ فَيَطْمَعَ الَّذِي فِي قَلْبِهِ مَرَضٌ وَقُلْنَ قَوْلاً مَّعْرُوفاً (فكون الطالبة تأتي بالقرآن على وجه الغنة، وتحسين الصوت يخشى منه الفتنة، ويكفي أن تقرأ القرآن قراءة مرسلة عادية‘‘ [اللقاء الشهري مع ابن عثيمين. الحلقة 42].

’’میری رائے یہ ہے کہ طالبہ اپنی آواز کو خوبصورت بنانے کی کوشش نہ کرے؛ کیونکہ اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے: ’’تم بات کرنے میں ایسا نرم انداز اختیار نہ کرو کہ جس کے دل میں بیماری ہے وہ لالچ میں پڑ جائے، بلکہ اچھی بات کہو‘‘۔ اس لیے طالبہ کا قرآن کو غنہ، خوش الحانی اور آواز کو خوبصورت بنا کر پڑھنا فتنہ کا سبب بن سکتا ہے۔ کافی ہے کہ وہ قرآنِ کریم کو سادہ، معمول کے مطابق اور سنجیدگی کے ساتھ پڑھے‘‘۔ واللہ اعلم۔

☆☆☆

گرمی اور جہنم کا عذاب

مولانا ابو معاویہ شارب بن شاکر السلفی، بہار

1۔ گرمی کیوں لگتی ہے؟ سیدنا ابو ہریرہؓ بیان کرتے ہیں کہ محسن انسانیت ونبی رحمت للعالمین ﷺ نے فرمایا کہ ’’اشْتَكَتِ النَّارُ إِلَى رَبِّهَا ‘‘جہنم نے اپنے رب سے شکایت کی’’رَبِّ أَكَلَ بَعْضِي بَعْضًا ‘‘ کہ اے میرے رب میرا ایک حصہ، میرے دوسرے حصے کو کھائے جارہا ہے’’ فَأَذِنَ لَهَا بِنَفَسَيْنِ ‘‘تو اللہ رب العالمین نے جہنم کو سال میں دو مرتبہ سانس لینے کی اجازت دے دی’’ نَفَسٍ فِي الشِّتَاءِ وَنَفَسٍ فِي الصَّيْفِ ‘‘ایک سانس سردیوں میں (اندر کی طرف) اور ایک سانس گرمیوں میں (باہر کی طرف) پھر آپ ﷺ نے فرمایا کہ ’’ فَأَشَدُّ مَا تَجِدُونَ مِنَ الحَرِّ وَأَشَدُّ مَا تَجِدُونَ مِنَ الزَّمْهَرِيرِ ‘‘ تم لوگ گرمیوں میں جو شدید گرمی محسوس کرتے ہو وہ اسی جہنم کی سانس کی وجہ سے ہے اور سردیوں میں جو شدید ترین سردی تم محسوس کرتے ہو وہ بھی اسی جہنم کی سانس کی وجہ سے ہی ہے۔(بخاری:3260)

2۔ دنیا وآخرت میں سورج کی دوری اور لوگوں کی حالتیں: سیدنا مقداد بن اسودؓ بیان کرتے ہیں کہ حبیب کائنات ومحبوب خدا ﷺ کو میں نے یہ فرماتے ہوئے سنا کہ ’’ تُدْنَى الشَّمْسُ يَوْمَ الْقِيَامَةِ مِنَ الْخَلْقِ ‘‘ قیامت کے دن سورج کو مخلوق کے نزدیک کردیا جائے گا، کتنا نزدیک کردیا جائے گا؟ آپ ﷺ نے فرمایا کہ ’’حَتَّى تَكُونَ مِنْهُمْ كَمِقْدَارِ مِيلٍ ‘‘ یہاں تک کہ سورج صرف ایک میل کے فاصلے پر رہ جائے گا! راویٔ حدیث حضرت سُلیم بن عامرؒ کہتے ہیں کہ ’’ فَوَاللهِ مَا أَدْرِي مَا يَعْنِي بِالْمِيلِ ‘‘اللہ کی قسم! مجھے یہ نہیں معلوم کہ اس میل سے کیا مراد ہے؟’’أَمَسَافَةَ الْأَرْضِ أَمِ الْمِيلَ الَّذِي تُكْتَحَلُ بِهِ الْعَيْنُ ‘‘ آیا اس سے مراد زمین کی ایک مسافت مراد ہے یا پھر وہ سلائی جس سے آنکھوں میں سرمہ لگاتے ہیں! پھر آگے آپ ﷺ نے فرمایا کہ ’’فَيَكُونُ النَّاسُ عَلَى قَدْرِ أَعْمَالِهِمْ فِي الْعَرَقِ ‘‘ تمام لوگ اپنے اپنے اعمال کے بقدر پسینے میں شرابور ہوں گے، چنانچہ ’’ فَمِنْهُمْ مَنْ يَكُونُ إِلَى كَعْبَيْهِ ‘‘ان میں سے بعض لوگ وہ ہوں گے جن کے ٹخنوں تک پسینہ ہوگا،’’وَمِنْهُمْ مَنْ يَكُونُ إِلَى رُكْبَتَيْهِ ‘‘ اور بعض لوگ وہ ہوں گے جن کے گھٹنوں تک پسینہ ہوگا،’’وَمِنْهُمْ مَنْ يَكُونُ إِلَى حَقْوَيْهِ ‘‘ اور بعض لوگ وہ ہوں گے جو کمر تک پسینے میں ڈوبے ہوں گے، اور’’وَمِنْهُمْ مَنْ يُلْجِمُهُ الْعَرَقُ إِلْجَامًا ‘‘ بعض لوگ تو ایسے بھی ہوں گے جن کے لئے ان کا پسینہ ہی لگام بن جائے گا۔(مسلم:2864) یعنی کہ کچھ لوگوں کو پسینہ تو ان کے منہ تک پہنچ جائے گا۔ اور ایک دوسری حدیث کے اندر ہے، سیدنا ابو ہریرہؓ بیان کرتے ہیں، آپ ﷺ نے فرمایا کہ ’’يَعْرَقُ النَّاسُ يَوْمَ القِيَامَةِ حَتَّى يَذْهَبَ عَرَقُهُمْ فِي الْأَرْضِ سَبْعِينَ ذِرَاعًا وَيُلْجِمُهُمْ حَتَّى يَبْلُغَ آذَانَهُمْ ‘‘ قیامت کے دن لوگ پسینے میں شرابور ہوجائیں گے اور حالت یہ ہوجائے گی کہ ان کا پسینہ زمین پر ستر ہاتھ تک پھیل جائے گا اور منہ تک پہنچ کر کانوں کو چھونے لگے گا۔(بخاری:6532، مسلم:2863) اور ایک تیسری حدیث کے اندر ہے، سیدنا ابن عمرؓ کہتے ہیں کہ آپ ﷺ نے فرمایا’’يَوْمَ يَقُومُ النَّاسُ لِرَبِّ العَالَمِينَ ‘‘ جس دن سب لوگ رب العالمین کے سامنے کھڑے ہوں گے۔(المطففین:6) تو’’حَتَّى يَغِيبَ أَحَدُهُمْ فِي رَشْحِهِ إِلَى أَنْصَافِ أُذُنَيْهِ‘‘ اس دن کچھ لوگ اپنے پسینے میں اپنے کانوں کے درمیان تک چھپ جائیں گے۔(بخاری:4938، مسلم:2862) آج جب ہمیں دھوپ کی شدت محسوس ہوتی ہے تو ہم اے سی اور کولر یا پھر کم از کم پنکھے کے سامنے بیٹھ جاتے ہیں جس کی وجہ سے ہماری گرمی بھی دور ہوجاتی ہے اور ہم آرام وسکون بھی محسوس کرتے ہیں مگر جب اس دن ہمیں گرمی لگے گی تو ہم کدھر جائیں گے؟ جس دن سورج بالکل ہی سر کے اوپر صرف اور صرف ایک میل کے فاصلے پر ہوگا! وہاں تو آرام وسکون پانے کے لئے یہ ساری چیزیں بھی مہیا نہ ہوں گی!

اماں عائشہؓ کہتی ہیں کہ میں نے آقائے دوجہاں جناب محمد عربی ﷺ کو یہ فرماتے ہوئے سنا کہ ’’ يُحْشَرُ النَّاسُ يَوْمَ الْقِيَامَةِ حُفَاةً عُرَاةً غُرْلًا ‘‘لوگوں کو ننگے پاؤں، ننگے بدن اور بغیر ختنہ کئے میدان محشر میں جمع کیا جائے گا، امی عائشہؓ کہتی ہیں کہ میں نے کہا کہ ’’يَا رَسُولَ اللهِ النِّسَاءُ وَالرِّجَالُ جَمِيعًا يَنْظُرُ بَعْضُهُمْ إِلَى بَعْضٍ ‘‘ اے اللہ کے رسول ﷺ پھر تو مرد وخواتین ایک دوسرے کو برہنہ دیکھ لیں گے، یہ سن کر آپ ﷺ نے فرمایا کہ ’’يَا عَائِشَةُ الْأَمْرُ أَشَدُّ مِنْ أَنْ يَنْظُرَ بَعْضُهُمْ إِلَى بَعْضٍ ‘‘ اے عائشہ! وہاں معاملہ بہت سخت ہوگا اور لوگوں کے ذہن ودماغ میں یہ خیال ہی نہ آئے گا کہ وہ ایک دوسرے کے طرف دیکھیں۔(مسلم:2859، بخاری:6527) میدان محشر کا معاملہ اتنا خطرناک اور اتنا سخت ہوگا کہ لوگوں کو اس بات کی فکر ہی نہ ہوگی کہ وہ ایک دوسرے کی طرف دیکھیں نہ تو جسم پر کوئی لباس ہوگا اور نہ ہی پاؤں میں جوتے چپل ہوں گے، نہ تو ٹھنڈی ہوائیں ہوں گی اور نہ ہی موسم کی تبدیلی کا کوئی امکان ہوگا، قرآن یہ گواہی دے رہا ہے کہ اس دن کی حالت کو دیکھ کر ’’يَقُولُ الْإِنْسَانُ يَوْمَئِذٍ أَيْنَ الْمَفَرُّ، كَلَّا لَا وَزَرَ‘‘ اس دن انسان کہے گا کہ آج بھاگنے کی جگہ کہاں ہے؟ نہیں نہیں کوئی پناہ گاہ

نہیں۔(القیامۃ:10-11)اللہ کی پناہ!

3۔جہنم کی آگ کیسی ہے؟ جہنم کی گرمی کی شدت اس دنیا کی آگ سے 69 گنا زیادہ ہے جیسا کہ محسن انسانیت، رحمۃ للعالمین جناب محمد عربی ﷺ نے فرمایا کہ "نَارُكُمْ هَذِهِ الَّتِي يُوقِدُ ابْنُ آدَمَ جُزْءٌ مِنْ سَبْعِينَ جُزْئًا مِنْ حَرِّ جَهَنَّمَ" تمہاری یہ دنیا کی آگ جسے انسان جلاتا ہے جہنم کی آگ کی گرمی کا سترہواں حصہ ہے، صحابۂ کرامؓ نے عرض کیا کہ "وَاللهِ إِنْ كَانَتْ لَكَافِيَةً يَا رَسُولَ اللهِ" اللہ کی قسم! اے اللہ کے نبی ﷺ! انسانوں کو جلانے کے لئے تو بس یہی دنیا کی آگ ہی کافی تھی، یہ سن کر آپ ﷺ نے فرمایا کہ "فَإِنَّهَا فُضِّلَتْ عَلَيْهَا بِتِسْعَةٍ وَسِتِّينَ جُزْئًا كُلُّهَا مِثْلُ حَرِّهَا" لیکن وہ تو دنیا کی آگ سے انہتر/69 درجہ زیادہ گرم ہے اور اس کا ہر حصہ اس دنیا کی آگ کے برابر گرم ہے۔(مسلم:2843) جیسا کہ سیدنا ابو ہریرہؓ کہتے ہیں "أَتَرَوْنَهَا حَمْرَاءَ كَنَارِكُمْ هَذِهِ لَهِيَ أَسْوَدُ مِنَ الْقَارِ" کہ کیا تم جہنم کی آگ کو دنیا کی آگ کی طرح لال سمجھتے ہو؟ وہ تو تارکول سے بھی زیادہ سیاہ ہے۔(مؤطا امام مالک:2/994) اللہ کی پناہ! اے ہمارے رب تو ہم سب کو اس جہنم سے محفوظ رکھنا۔آمین

4۔جہنم کیا ہے؟اور جہنم میں لوگوں کا جسم کیسا ہوگا؟ جہنم "نَارُ اللَّهِ الْمُوقَدَةُ، الَّتِي تَطَّلِعُ عَلَى الْأَفْئِدَةِ" وہ اللہ کی سلگائی ہوئی آگ ہوگی، جو دلوں پر چڑھتی چلی جائے گی۔(الھمزۃ:6-7) ایک دوسری جگہ اللہ جبار وقہار نے کہا کہ یہ جہنم "نَارٌ حَامِيَةٌ" وہ تند و تیز آگ ہے۔(القارعۃ:11) اور ایک تیسری جگہ اللہ جبار وقہار نے کہا کہ یہ جہنم "إِنَّهَا لَظَى، نَزَّاعَةً لِلشَّوَى" یقیناً وہ شعلے والی آگ ہے، جو منہ اور سر کی کھال کھینچ لانے والی ہے۔(المعارج:16-17) انسان کو ایسا محسوس ہوگا کہ اب ہمیں موت آجائے گی مگر ہائے افسوس!! وہاں موت کہاں ہوگی! وہاں تو موت کو ہی موت آچکی ہوگی، اللہ نے فرمایا کہ جہنمیوں کو "وَيَأْتِيهِ الْمَوْتُ مِنْ كُلِّ مَكَانٍ وَمَا هُوَ بِمَيِّتٍ" ہر جگہ سے موت آتی دکھائی دے گی لیکن وہ مرنے والا نہیں ہوگا۔(ابراہیم:17) "ثُمَّ لَا يَمُوتُ فِيهَا وَلَا يَحْيَى" جہاں پھر نہ وہ مرے گا نہ جئے گا (بلکہ حالت نزع میں پڑا رہے گا)(الاعلی:13) وہاں تو جیسے ہی انسان کا ایک چمڑہ جلے گا پھر سے اللہ نیا چمڑا پیدا کردے گا جیسا کہ فرمان باری تعالی ہے "كُلَّمَا نَضِجَتْ جُلُودُهُمْ بَدَّلْنَاهُمْ جُلُودًا غَيْرَهَا لِيَذُوقُوا الْعَذَابَ" جب ان کی کھالیں پک جائیں گی ہم ان کے سوا اور کھالیں بدل دیں گے تاکہ وہ عذاب چکھتے رہیں۔(النساء:56) صرف یہی نہیں کہ اللہ رب العزت جہنمیوں کے جسم و بدن پر نیا چمڑا پیدا کردے گا بلکہ جہنمیوں کے جسموں اور بدنوں اور کھالوں اور چمڑوں کو بھی اللہ رب العزت خوب موٹا تازہ کردے گا جیسا کہ جناب محمد عربی ﷺ نے فرمایا کہ "إِنَّ غِلَظَ جِلْدِ الْكَافِرِ اثْنَتَانِ وَأَرْبَعُونَ ذِرَاعًا" جہنم میں کافر کی کھال کی موٹائی بیالیس ہاتھ ہوگی، جو تقریباً 63 فٹ ہوتی ہے، اور "وَإِنَّ ضِرْسَهُ مِثْلُ أُحُدٍ" اور ایک دانت احد پہاڑ کے برابر ہوگا "وَإِنَّ مَجْلِسَهُ مِنْ جَهَنَّمَ كَمَا بَيْنَ مَكَّةَ وَالْمَدِينَةِ" اور اس کے بیٹھنے کی جگہ مکہ اور مدینہ کے درمیانی فاصلہ کے برابر ہوگی۔(ترمذی:2577، اسنادہ صحیح)

5۔جہنم میں کیسے کیسے عذاب ہوں گے: طرح طرح کے عذاب اور سزاؤں کو دیکھ کر کے جہنمیوں کی کیا حالت ہوگی اس کا اندازہ آپ صرف اس بات سے لگا سکتے ہیں، آپ ﷺ نے فرمایا کہ "إِنَّ أَهْلَ النَّارِ لَيَبْكُونَ فِي النَّارِ حَتَّى لَوْ أُجْرِيَتِ السُّفُنُ فِي دُمُوعِهِمْ لَجَرَتْ" بے شک جہنمی اتنا روئیں گے کہ اگر ان کے آنسوؤں میں کشتیاں چلائی جائیں تو چلنے لگیں گی، "وَإِنَّهُمْ لَيَبْكُونَ الدَّمَ يعنى مكان الدمع" پھر رو رو کر کے جہنمیوں کے آنسو ختم ہو جائیں گے تو جہنمی خون کے آنسو بہائیں گے یعنی جہنمیوں کے آنکھوں سے پانی کے بجائے خون نکلے گا۔(الصحیحۃ:1679) قرآن میں کہیں اللہ نے فرمایا کہ "عَذَابٌ عَظِيمٌ" جہنم میں بڑے بڑے عذاب ہیں، کہیں اللہ نے فرمایا کہ "عَذَابٌ أَلِيمٌ" جہنم میں دردناک عذاب ہیں، کہیں اللہ نے فرمایا کہ "عَذَابٌ مُهِينٌ" جہنم میں رسوا کرنے والا عذاب ہے، کہیں اللہ نے فرمایا کہ "عَذَابٌ شَدِيدٌ" جہنم میں نہایت ہی سخت عذاب ہے، کہیں اللہ نے فرمایا کہ "عَذَابٌ مُقِيمٌ" جہنمیوں کے لئے دائمی اور ہمیشگی کا عذاب ہے، کہیں اللہ نے فرمایا کہ "عَذَابٌ غَلِيظٌ" جہنمیوں کے لئے سخت سے سخت عذاب ہے، الغرض اللہ جبار وقہار نے ہمیں یہ متنبہ کردیا ہے کہ اے لوگوں بس یوں سمجھ لو کہ جہنم میں "عَذَابَ الْحَرِيقِ" بس آگ ہی آگ کا عذاب ہے، وہاں تو اوڑھنا اور بچھونا بھی آگ کا ہی ہوگا جیسا کہ فرمان باری تعالی ہے "لَهُمْ مِنْ جَهَنَّمَ مِهَادٌ وَمِنْ فَوْقِهِمْ غَوَاشٍ" جہنمیوں کے لئے آگ کا ہی بچھونا ہوگا اور آگ کا ہی اوڑھنا ہوگا۔(الاعراف:41) لباس بھی تو آگ ہی کا ہوگا جیسا کہ فرمان باری تعالی ہے "فَالَّذِينَ كَفَرُوا قُطِّعَتْ لَهُمْ ثِيَابٌ مِنْ نَارٍ يُصَبُّ مِنْ فَوْقِ رُءُوسِهِمُ الْحَمِيمُ" پس کافروں کے لئے تو آگ کے کپڑے کاٹے جائیں گے اور ان کے سروں پر سخت کھولتا ہوا پانی بہایا جائے گا، "يُصْهَرُ بِهِ مَا فِي بُطُونِهِمْ وَالْجُلُودُ" جس سے ان کے پیٹ کی سب چیزیں اور کھالیں پگھل جائیں گی، "وَلَهُمْ مَقَامِعُ مِنْ حَدِيدٍ" اور ان کی سزا کے لئے لوہے کے ہتھوڑے ہیں، "كُلَّمَا أَرَادُوا أَنْ يَخْرُجُوا مِنْهَا مِنْ غَمٍّ أُعِيدُوا فِيهَا وَذُوقُوا عَذَابَ الْحَرِيقِ" یہ جب بھی وہاں کے غم سے نکل بھاگنے کا ارادہ کریں گے وہیں لوٹا دیئے جائیں گے اور کہا جائے گا کہ جلنے کا عذاب چکھو۔(الحج:19-22) کہیں اللہ نے فرمایا کہ "سَرَابِيلُهُمْ مِنْ قَطِرَانٍ وَتَغْشَى وُجُوهَهُمُ النَّارُ" جہنمیوں کے لباس گندھک کے ہوں گے اور

آگ ان کے چہروں پر بھی چڑھی ہوئی ہوگی۔(ابراہیم:50) یعنی ہر طرف آگ ہی آگ، اوپر بھی آگ، نیچے بھی آگ، فرمان باری تعالی ہے "لَهُمْ مِنْ فَوْقِهِمْ ظُلَلٌ مِنَ النَّارِ وَمِنْ تَحْتِهِمْ ظُلَلٌ" کہ جہنمیوں کو نیچے اوپر سے آگ کے شعلے سائبان کے مانند ڈھانک رہے ہوں گے۔(الزمر:16) اللہ کی پناہ! اے میرے رب تونے بدکاروں اور سیہ کاروں کے لئے وہ کیسی جگہ بنائی ہے جہاں سوائے آگ کے کچھ رکھا ہی نہیں ہے، اے رحمان ورحیم تو ہم سب کو جہنم کی آگ سے محفوظ رکھنا۔آمین

6۔جہنمیوں کا کھانا پینا کیسا ہوگا؟ فرمان باری تعالی ہے "مِنْ وَرَائِهِ جَهَنَّمُ وَيُسْقَى مِنْ مَاءٍ صَدِيدٍ" اس کے سامنے دوزخ ہے جہاں وہ پیپ کا پانی پلایا جائے گا، "يَتَجَرَّعُهُ وَلَا يَكَادُ يُسِيغُهُ" جسے بمشکل گھونٹ گھونٹ پیے گا، پھر بھی اسے گلے سے اتار نہ سکے گا۔(ابراہیم:16-17) کہیں اللہ نے فرمایا کہ "وَلَا طَعَامٌ إِلَّا مِنْ غِسْلِينٍ" اور نہ سوائے پیپ کے اس کی کوئی غذا ہے، "لَا يَأْكُلُهُ إِلَّا الْخَاطِئُونَ" جسے گناہ گاروں کے سوا کوئی نہیں کھائے گا۔(الحاقۃ:36-37) کہیں اللہ جبار وقہار نے فرمایا کہ "تُسْقَى مِنْ عَيْنٍ آنِيَةٍ" انہیں نہایت گرم چشمے کا پانی پلایا جائے گا، فرمایا "وَسُقُوا مَاءً حَمِيمًا فَقَطَّعَ أَمْعَاءَهُمْ" اور جنہیں گرم کھولتا ہوا پانی پلایا جائے گا جو ان کی آنتوں کو ٹکڑے ٹکڑے کردے گا۔(محمد:15) ایک دوسری جگہ اللہ نے فرمایا کہ "وَإِنَّ لِلطَّاغِينَ لَشَرَّ مَآبٍ" یادرکھو کہ سرکشوں کے لئے بڑی بری جگہ ہے، "جَهَنَّمَ يَصْلَوْنَهَا فَبِئْسَ الْمِهَادُ" دوزخ ہے جس میں وہ جائیں گے، آہ! کیا ہی برا بچھونا ہے، "هَذَا فَلْيَذُوقُوهُ حَمِيمٌ وَغَسَّاقٌ" یہ ہے، پس اسے چکھیں، گرم پانی اور پیپ، "وَآخَرُ مِنْ شَكْلِهِ أَزْوَاجٌ" اور کچھ اور اسی طرح کی طرح طرح کی چیزیں (ہوں گی جہنم میں)۔(ص:55-58) فرمان باری تعالی ہے "لَيْسَ لَهُمْ طَعَامٌ إِلَّا مِنْ ضَرِيعٍ" ان کے لئے سوائے کانٹے دار درختوں کے اور کچھ کھانا نہ ہوگا، "لَا يُسْمِنُ وَلَا يُغْنِي مِنْ جُوعٍ" جو نہ موٹا کرے گا نہ بھوک مٹائے گا۔(الغاشیۃ:5-7) کہیں اللہ جبار وقہار نے فرمایا کہ "إِنَّ شَجَرَتَ الزَّقُّومِ، طَعَامُ الْأَثِيمِ" بے شک تھوہر کا درخت، گناہ گار کا کھانا ہے، "كَالْمُهْلِ يَغْلِي فِي الْبُطُونِ، كَغَلْيِ الْحَمِيمِ" جو مثل تلچھٹ کے ہے اور پیٹ میں کھولتا رہتا ہے، جیسے سخت گرم پانی کھولتا ہے۔(الدخان:43-46) سیدنا ابن عباسؓ کہتے ہیں کہ آپ ﷺ نے فرمایا کہ "لَوْ أَنَّ قَطْرَةً مِنَ الزَّقُّومِ قُطِرَتْ فِي دَارِ الدُّنْيَا لَأَفْسَدَتْ عَلَى أَهْلِ الدُّنْيَا مَعَايِشَهُمْ فَكَيْفَ بِمَنْ تَكُونُ طَعَامَهُ" یہ زقوم یعنی تھوہر کا درخت اتنا خطرناک ہے، اتنا خطرناک ہے کہ اگر تھوہر کا ایک قطرہ دنیا میں گرادیا جائے تو ساری دنیا یعنی تمام مخلوق کے کھانے پینے کی چیزوں کو تباہ وبرباد کردے، پھر اس شخص کا کیا حال ہوگا جس کا کھانا پینا ہی تھوہر ہوگا۔(صحیح الجامع للألبانیؒ:5250)

7۔جنت و جہنم کی سیر: سیدنا انس بن مالکؓ بیان کرتے ہیں کہ آپ ﷺ نے فرمایا "يُؤْتَى بِأَنْعَمِ أَهْلِ الدُّنْيَا مِنْ أَهْلِ النَّارِ يَوْمَ الْقِيَامَةِ" کہ کل قیامت کے دن اہل جہنم میں سے ایک ایسے انسان کو حاضر کیا جائے گا جس نے دنیا میں عیش وآرام کی زندگی گذاری ہوگی، اور پھر "فَيُصْبَغُ فِي النَّارِ صَبْغَةً" اسے جہنم میں ایک ڈوبکی لگائی جائے گی، یعنی بس جہنم میں ڈال کر اسے نکالا جائے گا، پھر اس سے پوچھا جائے گا کہ "يَا ابْنَ آدَمَ هَلْ رَأَيْتَ خَيْرًا قَطُّ" اے انسان کیا تو نے دنیا میں چین وسکون کو دیکھا؟ "هَلْ مَرَّ بِكَ نَعِيمٌ قَطُّ" اے انسان! کیا تو نے دنیا میں عیش وآرام کو دیکھا؟ وہ کہے گا "لَا وَاللهِ يَا رَبِّ" نہیں! اے میرے رب! اللہ کی قسم میں نے اپنی زندگی میں کبھی کوئی عیش وآرام کو دیکھا ہی نہیں! پھر آگے آپ ﷺ نے فرمایا کہ "وَيُؤْتَى بِأَشَدِّ النَّاسِ بُؤْسًا فِي الدُّنْيَا مِنْ أَهْلِ الْجَنَّةِ" اور اسی کے برعکس اہل جنت میں سے ایک ایسے انسان کو حاضر کیا جائے گا جس نے دنیا میں بڑی تکلیف سے زندگی گذاری ہوگی، "فَيُصْبَغُ صَبْغَةً فِي الْجَنَّةِ" اسے جنت کی سیر کرائی جائے گی اور پھر اس سے پوچھا جائے گا کہ "يَا ابْنَ آدَمَ هَلْ رَأَيْتَ بُؤْسًا قَطُّ" اے انسان! کیا تو نے کبھی دنیا میں کوئی تکلیف دیکھی؟ "هَلْ مَرَّ بِكَ شِدَّةٌ قَطُّ" کیا تو نے کبھی دنیا میں کوئی غم والم اور پریشانی اٹھائی؟ ایسا انسان جس نے اپنی ساری زندگی دکھ و درد، غم والم اور پریشانی میں گذاری ہوگی وہ جنت کی ہوا کھا کر کیا کہے گا؟ وہ کہے گا کہ "لَا وَاللهِ يَا رَبِّ مَا مَرَّ بِي بُؤْسٌ قَطُّ وَلَا رَأَيْتُ شِدَّةً قَطُّ" نہیں! نہیں! اللہ کی قسم! اے میرے رب! میں نے تو دنیا میں کبھی کوئی غم دیکھی ہی نہیں! میں نے تو دنیا میں کبھی کوئی پریشانی اٹھائی ہی نہیں!(مسلم:2807) اللہ رب العزت نے فرمایا کہ "يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا قُوا أَنْفُسَكُمْ وَأَهْلِيكُمْ نَارًا وَقُودُهَا النَّاسُ وَالْحِجَارَةُ" اے ایمان والو! تم اپنے آپ کو اور اپنے گھر والوں کو اس آگ سے بچاؤ جس کا ایندھن انسان ہیں اور پتھر۔(التحریم:6) ذرا غور کیجئے کہ اللہ نے یہاں پر یہ نہیں کہا کہ اے لوگوں! اے کافروں! اے مشرکوں! اپنے آپ کو اور اپنے اہل وعیال کو جہنم کی آگ سے بچاؤ، بلکہ اللہ نے بلا فاصلہ ڈائریکٹ ہم سے خطاب کرتے ہوئے کہا کہ اے مومنوں! اے ایمان والو! اے نمازیوں! اے اہل توحیدوں! اے مسلمانوں! جہاں تک ہوسکے، اپنی طاقت بھر تم اپنے آپ کو اور اپنے اہل وعیال کو جہنم کی آگ سے بچاؤ اور اپنے آپ کو جہنم کی آگ سے بچانا کتنا ضروری ہے اس کا اندازہ آپ صرف اس بات سے لگا سکتے ہیں کہ آپ ﷺ نے فرمایا "اتَّقُوا النَّارَ وَلَوْ بِشِقِّ تَمْرَةٍ" کہ اے لوگو! اپنے آپ کو جہنم کی آگ سے بچاؤ گرچہ کھجور کا ایک ٹکڑا صدقہ کرکے ہی کیوں نہ ہو۔(بخاری:1417، مسلم:1016) یعنی جیسے ہو اور جس طریقے سے بھی ہو، بس تم ہر طرح کے چھوٹے بڑے اعمال کو انجام دے کر کے اپنے آپ کو جہنم کی آگ سے بچالو۔

مولانا اسعد اعظمی رجامعہ سلفیہ، بنارس

میاں سید نذیر حسین محدث دہلویؒ کے شاگردوں کی دعوتی خدمات

شیخ الکل فی الکل میاں سید نذیر حسین محدث دہلوی رحمہ اللہ (۱۲۲۰-۱۳۲۰ھ) جس نابغہ روزگار شخصیت کا نام ہے اس کی مذہبی، سماجی، ملکی اور متنوع خدمات کا دائرہ اس قدر وسیع ہے کہ اسے احاطہ تحریر میں لانے کے لیے صحیفے کے صحیفے درکار ہیں۔ اللہ تعالیٰ نے ان کے وقت میں، ان کی عمر میں، ان کے علم میں اور ان کے عمل میں اس قدر برکت دی تھی کہ تنہا وہ کارہائے نمایاں انجام دیے کہ تنظیمیں اور جماعتیں نہیں دے سکتیں۔

آپ کی مساعی حمیدہ اور خدمات جلیلہ کے مختلف اور متنوع پہلوؤں میں سے ایک نمایاں پہلو تدریس اور افراد سازی کا بھی ہے۔ اس بابرکت عمل میں آپ کی عمر عزیز کا دو تہائی حصہ (لگ بھگ ۷۰ ربرس) صرف ہوا۔ اس مدت میں ملک اور بیرون ملک کے ہزاروں طلبہ نے کسب فیض کیا اور آپ کے چشمہ فیض سے سیر حاصل کرنے کے بعد ﴿وَلِيُنذِرُوا قَوْمَهُمْ إِذَا رَجَعُوا إِلَيْهِمْ﴾ کا مصداق بنے اور خلق کثیر کی ہدایت واصلاح کا ذریعہ بنے، یہاں تک کہ ان کے مجملہ غیر اہل حدیث شاگردوں میں سے ایک مشہور مؤرخ وعالم نے برملا شہادت دی:

"نفع الله بعلومه خلقا كثيرا من أهل العرب والعجم، وانتهت إليه رئاسة الحديث في بلاد الهند" (نزہۃ الخواطر: ۵۰۰/۸)

(اللہ تعالیٰ نے عرب وعجم کے بہت سے لوگوں کو ان کے علوم سے نفع پہنچایا۔ اور بلاد ہند میں حدیث کی صدارت ان پر ختم ہوگئی)

ایک دوسرے اہل حدیث شاگرد علامہ شمس الحق عظیم آبادی آپ کے تین امتیازی خصائص میں سے تیسری خصوصیت کا ذکر کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

"الثالث: سعة التلاميذ المدققين والنبلاء المحققين ذوي الفضائل الباهرة وأولي الكمالات الفاخرة.... ليس في بلاد الهند بلد ولا قرية إلا بلغت فيضانه، وتلاميذه موجودة فيها ... وليس انحصار تلاميذه ببلاد الهند، بل انتشرت تلاميذه في الآفاق من العرب والعجم" (حياة المحدث شمس الحق وأعماله، لمحمد عزير شمس، ص:۲۶۸-۲۶۹، بحواله: غاية المقصود:۱/۱۱)

(یعنی آپ کا تیسرا امتیاز اصحاب فضل وکمال محققین ومدققین تلامذہ کی کثرت ہے، بلاد ہند میں کوئی شہر اور گاؤں نہیں جہاں آپ کا فیض نہ پہنچا ہو اور آپ کے تلامذہ وہاں موجود نہ ہوں۔ صرف بلاد ہند میں ہی نہیں، بلکہ عرب وعجم کے آفاق میں آپ کے تلامذہ پھیلے ہوئے ہیں)

میاں صاحب کے تلمیذ رشید اور آپ کے سوانح نگار مولانا فضل حسین بہاری نے اپنی تالیف لطیف "الحیاۃ بعد المماۃ" میں میاں صاحب کے تلامذہ کی ایک طویل فہرست درج فرمائی ہے جس کی ابتدا میں یہ تمہیدی کلمات لکھے ہیں:

"بعض بعض امور جو میاں صاحب کی ذات کے ساتھ مختص ہیں ان میں سے ایک تلامذہ کی کثرت بھی ہے اور شاگرد بھی کیسے کہ بیشتر ان میں سے صاحب فضل وکمال ہیں جن کی شاگردی پر معاصرین علماء فخر کر سکتے ہیں۔

دہلی، نواح دہلی اور صرف ہندوستان ہی میں آپ کے تلامذہ کی تعداد محدود نہیں ہے بلکہ یہ لوگ کرہ زمین کے معتد بہ حصے کو گھیرے ہوئے ہیں جن کی تعداد صحیحہ کے معلوم کرنے کے لیے یہ مصرع حسب حال ہے:

دشوار تو یہی ہے کہ دشوار بھی نہیں

کیوں کہ ہندوستان اور کابل کے سوا عرب، یمن، نجد، حجاز، سنوس، حبشان، افریقہ، عجم، چین، کوچین اور تبت وغیرہ بھی آپ کے شاگردوں کے وجود سے خالی نہیں....." (الحیاۃ بعد المماۃ، جدید ایڈیشن، ص:۴۷۱)

آپ کے بعض تذکرہ نگاروں نے آپ کے شاگردوں کی تعداد بیس ہزار بتلائی ہے۔ جناب تنزیل صدیقی کا کہنا ہے کہ میاں صاحب کے تلامذہ کی تعداد حد شمار سے باہر ہے۔ انہوں نے "دبستان نذیریہ" کے نام سے ان تلامذہ پر ایک کتاب کی تالیف شروع کی ہے جس کا اتمام بقول آپ کے کم از کم سات جلدوں میں ہوگا۔ **وما يعلم جنود ربك إلا هو.**

اور جس طرح میاں صاحب کی خدمات کا دائرہ کافی وسیع ہے اور متنوع گوشوں پر مشتمل ہے اسی طرح آپ کے تلامذہ کی خدمات میں بھی تنوع اور توسع ہے۔ تعلیم وتربیت، دعوت وارشاد، تصنیف وتالیف، افتاء، صحافت، مناظرہ...الغرض کوئی میدان ایسا نہیں جہاں ان کے نقوش مرتسم نہ ہوں۔ لیکن اس سرسری مضمون میں راقم نے ان تلامذہ کی دعوتی واصلاحی مساعی کے کچھ نمونے جمع کرنے کی کوشش کی ہے جس کا مقصد اولاً ان نفوس قدسیہ کی جہود ومساعی کو خراج عقیدت پیش کرنا اور ثانیاً نئی نسل کو ان آثار ونقوش کو اپنے لیے مشعل راہ بنانے کی دعوت دینا ہے، کہ وہ اسی وراثت کے امین اور اسی دعوت کے پاسبان ہیں۔

اس مضمون کے لیے "دبستان نذیریہ" جلد اول کا اول تا آخر سرسری مطالعہ کر کے کچھ نمونے منتخب کیے گئے ہیں۔ اس کے علاوہ اہل حدیث امرتسر کی فائلوں سے بھی معلومات اخذ کی گئی ہیں۔ الحیاۃ بعد المماۃ اور دبستان حدیث وغیرہ سے بھی استفادہ کیا گیا ہے۔ سب کے حوالے موقع پر درج کر دیے گئے ہیں۔ شخصیات کے ذکر کی ترتیب میں سن وفات کو پیش نظر رکھا گیا ہے۔ ان شخصیات کے انتخاب میں کوئی وجہ ترجیح نہیں ہے۔ چند مقامات سے جو نمونے مل گئے انہیں لے لیا گیا ہے ورنہ صرف اس خاص

موضوع پر بھی معلومات کا احاطہ اور استقصا کیا جائے تو ایک طویل دفتر تیار ہو جائے ۔

سفینہ چاہیے اس بحر بے کراں کے لیے

ہمیں نہیں بھولنا چاہیے کہ میاں صاحب کہ یہ فیض یافتگان آپ کے لیے صدقہ جاریہ کی حیثیت رکھتے ہیں، یہ میاں صاحب ہی کی جہود ومساعی کا امتداد ہیں۔ اور "علم ینتفع به" کی عملی تصویر ہیں۔ شیخ الکل نے جو پودا لگایا تھا اس نے تناور درخت بن کر اپنے برگ وبار سے ایک طویل خطے کو سایہ دیا۔ ﴿تُؤْتِىٓ أُكُلَهَا كُلَّ حِينٍ بِإِذْنِ رَبِّهَا﴾

میاں صاحب کے تلامذہ کرام میں سب سے آخر میں وفات پانے والے مولانا عبدالحکیم جیوری ہیں جن کی وفات ۱۹۷۲ء میں ہوئی۔ (دبستان نذیریہ: ۲۴/۱) جیوری صاحب کے تلامذہ میں مولانا حکیم محمد اسرائیل ندوی سلفی (ہریانہ) تھے جن کا ۲/ جولائی ۲۰۱۹ء کو انتقال ہوا۔

میرے ناقص علم کے مطابق میاں صاحب کے شاگردوں کے شاگردوں کی آخری کڑی شاید والد گرامی مولانا محمد اعظمی رحمہ اللہ تھے جو ۱۱/ جولائی ۲۰۲۳ء کو اس دار فانی کو خیر باد کہہ گئے۔ نور اللہ مرقدہ۔ اب میاں صاحب کے شاگردوں کی تیسری نسل میدان عمل میں ہے جو دو واسطوں سے میاں صاحب سے اپنا رشتہ جوڑتی ہے۔ تقبل الله جهودهم ووفقهم لكل خير.

اب میاں صاحب کے چنندہ شاگردوں کی دعوتی خدمات کا بیان شروع کیا جا رہا ہے:

مولانا علیم الدین حسین نگرنہسوی (متوفی ۱۳۰۶ھ)

مولانا نگرنہسوی علمی خاندان سے تعلق رکھتے تھے۔ میاں صاحب کی شاگردی کا محرک یہ ہوا کہ ایک مرتبہ مفتی صدرالدین آزردہ کی درس گاہ میں "مسلم الثبوت" کے اثنائے درس میں جب کہ میاں صاحب بھی موجود تھے، مفتی صاحب نے "مسلم الثبوت" کے ایک مشکل مقام کی تشریح کی۔ مفتی صاحب کی بیان کردہ تشریح پر سید نذیر حسین نے گرفت کی اور پھر خود اس خوش اسلوبی سے اس مقام کی تشریح کی کہ جس کی داد مفتی صاحب بھی دیے بغیر نہ رہ سکے۔ مولانا علیم الدین جو اس درس میں بحیثیت طالب علم شریک تھے اس قدر متاثر ہوئے کہ اگلے ہی دن حضرت شیخ الکل سید نذیر حسین کے دبستان علم سے منسلک ہو گئے۔ (دبستان نذیریہ: ۱۷۰/۱)

علامہ علیم الدین کا وعظ پر از نصیحت ہوتا اور تاثیر میں انتہائی موثر ہوا کرتا تھا۔ جید علماء وافاضل آپ کے وعظ سے اپنے قلب پر اثر لیا کرتے تھے۔ مشہور محدث علامہ شمس الحق عظیم آبادیؒ فرماتے ہیں:

"جناب مولانا علیم الدین حسین نگرنہسوی رحمہ اللہ تعالی کے وعظ ونصائح سے ہم کو بہت فائدہ حاصل ہوا ہے اور اللہ تعالیٰ نے شوق اتباع سنت انہیں کے واسطے سے ہم کو عطا فرمایا ہے۔" (ایضا: ۱۷۱/۱-۱۷۲، بحوالہ یادگار گوہری، ص: ۱۰۴، ۱۰۶)

مولانا حکیم عبدالحی حسنی نزہۃ الخواطر میں مولانا کے تذکرے میں لکھتے ہیں:

"وكان ملازما لأنواع الخير، قويا في دينه، جيد التفقه، كثير المطالعة لفنون العلم، حلو المذاكرة مع الدين والتقوى وإيثار الانقطاع وترك التكلف، لم يزل يدرس وينفع بمواعظه الناس، ويجتهد في محق الرسوم والأهواء، انتفع به خلق كثير." (نزهة الخواطر: ۱۳۱۴/۸)

(آپ انواع خیر (مختلف قسم کی نیکیوں) کے پابند، دین میں پختہ، تفقہ (فی الدین) میں عمدہ، مختلف علوم وفنون میں کثرت مطالعہ سے متصف، دین وتقوی کے ساتھ مذاکرہ (ومباحثہ) کو پسند کرنے والے، کنارہ کشی کو ترجیح اور تکلف کو ترک کرنے والے، ہمیشہ اپنے درس اور مواعظ سے لوگوں کو فائدہ پہنچاتے رہے اور رسوم وبدعات کو مٹانے میں سعی کرنے والے تھے۔ ایک خلق کثیر کو آپ سے فائدہ پہنچا۔) (دبستان نذیریہ: ۱۷۳/۱-۱۷۴)

مولانا ابوطاہر بہاری آپ کے بارے میں لکھتے ہیں:

"امر بالمعروف ونہی عن المنکر کا بڑا خیال تھا، شرک وبدعت کی برابر تردید فرمایا کرتے تھے، اشاعت سنت ہمہ دم ملحوظ خاطر تھی۔ آپ کی ذات بابرکات کی بدولت سیکڑوں بدعقائد کے عقائد وخیالات صحیح ودرست ہو گئے۔" (ایضا: ۱۷۴/۱، بحوالہ اہل حدیث امرتسر: ۱۷/ اکتوبر ۱۹۱۹ء)

مولانا حکیم عبداللہ جیراجپوری (متوفی: ۱۳۰۷ھ)

آپ نے جون پور، دیوبند اور بلیا میں علمی تشنگی بجھانے کے بعد دہلی آ کر میاں صاحب کی شاگردی اختیار کر کے تعلیم مکمل کی۔ مولانا سلامت اللہ جیراجپوری اور مولانا حافظ عبداللہ غازی پوری آپ کے ہم درس تھے۔

تکمیل علم کے بعد جب وطن واپس آئے تو سب سے پہلے والد صاحب سے مباحثہ ہوا۔ آپ کے والد مولوی بہادر علی صاحب سخت متعصب حنفی المذہب عالم تھے اور بدعات میں بھی مبتلا تھے۔ بالآخر سخت مناظروں اور مباحثوں کے بعد اہل حدیث ہو گئے اور بدعات کو چھوڑ دیا۔

وطن میں نہایت دلی جوش کے ساتھ آپ نے کتاب وسنت کی تلقین کی اور وعظ گوئی شروع کی اور بہت سے لوگ آپ کے ذریعے سے راہ راست پر آ گئے۔ آپ کی طلاقت لسانی اور قرآن فہمی مشہور روزگار تھی۔ قرآن نہایت عمدہ پڑھتے تھے اور وعظ ایسا پر تاثیر ہوتا تھا کہ لوگوں کا دل آپ کی طرف کھنچتا تھا۔

بغرض طبابت رسڑا ضلع بلیا میں بھی آپ کا قیام ہوا۔ جمعہ کو وہاں کی مسجد میں وعظ فرماتے تھے، تاثیر کا یہ عالم تھا کہ ایک دن ایک ہندو نے آپ کا وعظ سنا، بعد ختم وعظ کے وہ فوراً آ کر مسلمان ہو گیا۔

آپ چونکہ عقائد فاسدہ کی اپنے وعظ میں تردید فرمایا کرتے تھے، اس لیے وہ لوگ جن کا گزارہ ان ہی بدعات پر تھا آپ کے مخالف ہو گئے، چنانچہ مخالفین سے، جو تعداد میں بہت زیادہ تھے، آپ نے تن تنہا مناظرہ کیا جو کئی روز تک جاری رہا اور اس خوبی کے ساتھ آپ حریفوں پر غالب آ گئے کہ سب لوگوں پر آپ کا غلبہ ہو گیا۔ (اہل حدیث امرتسر: ۱۹/ ستمبر ۱۹۱۹ء، تراجم علمائے حدیث ہند، ص: ۳۵۰-۳۵۱)

آپ کے سوانح نگار لکھتے ہیں کہ: قرآن کا اثر اس قدر آپ کے اوپر ہوتا تھا کہ ایک دفعہ سے زیادہ دیکھنے میں آیا کہ آیات قرانی سن کر آپ پر بے ہوشی طاری ہوگئی۔ جب بخار وغیرہ میں مبتلا ہوتے تھے تو لوگوں کو پلنگ کے پاس بلا کر وعظ فرمانے لگتے، تھوڑی دیر میں صحت ہو جاتی۔ (اہل حدیث امرتسر)

مولانا عبدالغفار نشر مہدانوی (متوفی ۱۳۱۵ھ) آپ کا شمار بہار کے اکابرو اعیان اہل حدیث میں ہوتا ہے۔ ابتدا میں غیر اہل حدیث تھے۔ پھر آپ کے چچازاد بھائی مولانا حکیم فضل حسین مہدانوی (مصنف الحیاۃ بعد المماۃ) کی کوششوں سے عاملین بالحدیث کے گروہ میں شامل ہوئے اور میاں صاحب سے تلمذ کا شرف بھی حاصل کیا۔ فراغت کا سال ۱۲۹۵ھ ہے۔

مولانا کے نواسے علی اسید جعفری آپ کے بارے میں لکھتے ہیں:

''میرے نانا مولوی عبدالغفار صاحب مرحوم.... اپنے وقت کے جید عالم تھے۔ آپ کے گرد اکثر علمائے کرام کا مجمع رہتا تھا.... آپ ہی کی دعوت پر حضرت مولانا شاہ عین الحق مرحوم نے جو خانقاہ پھلواری شریف، عظیم آباد پٹنہ کے موروثی سجادہ نشیں تھے، نہ صرف اپنا منصب چھوڑ کر مسلک اہل حدیث اختیار کر لیا تھا بلکہ پھلواری شریف کی سکونت تک ترک کر دی.....

جمعہ اور عیدین کی نمازوں میں امامت وخطابت نیز وعظ بھی فرمایا کرتے تھے۔ صاحب گنج والی مسجد نانا مرحوم کے تعلق سے ''وہابیوں کی مسجد'' کے نام سے مشہور ہوگئی۔'' (دبستان نذیریہ: ۱/۱۸۹-۱۹۷ ملخصا)

مولانا تنزیل صدیقی نے مولانا کے تعارف کے شروع میں لکھا ہے کہ ''وہ تبلیغ و اشاعت میں نہایت سرگرم تھے۔ مولانا کو اللہ نے سعادت دینی کے ساتھ ساتھ وجاہت دنیاوی سے بھی سرفراز کیا تھا۔ تبلیغ واشاعت کے لیے مولانا اپنے مال ومتاع کے انفاق سے کبھی گریز نہیں کرتے تھے۔'' (ایضا: ۱/۱۸۹)

مولانا حکیم وحید الحق استھانوی (متوفی ۱۳۱۵ھ) استھانواں بہار سے تعلق رکھتے ہیں۔ مسلکاً دیوبندی تھے، مگر وسیع المشرب تھے۔ میاں صاحب کے تلمیذ تھے اور بہار کے اہل حدیث علماء سے ان کے خوشگوار روابط تھے۔ مولانا مناظر احسن گیلانی اپنے ایک مضمون میں آپ کی تبلیغی خدمات ان الفاظ میں بیان کرتے ہیں:

''....انہوں نے بجائے شہر کے ممبروں، لیڈروں کے اسٹیجوں کے، دیہات کی گلیوں میں اپنے مقصد کو تلاش کیا ہے۔ مشرکانہ عقائد ورسوم جن میں مسلمانوں کی پچھلی نسلیں، غیر اقوام کی صحبت اور حکومت کی غفلت کی بدولت مبتلا ہوگئی تھیں، مولانا نے عورتوں اور جاہل مردوں کو، کن خاموش راہوں سے بت خانوں کے اس قافلے کو حرم تک لے جانے کی کوشش فرمائی ہے۔ آب دیدہ ہو کر (میری) اماں مرحومہ (جن کا تعلق استھانواں سے تھا) یاد کرتی تھیں کہ موٹیا کا پائجامہ، موٹیا کی ٹوپی میں اسلام کا یہ مخلص خادم، گھر گھر مسلمان خواتین کو نرمی اور دل دہی کے ساتھ بدعات اور مشرکانہ رسوم کے چھوڑنے کی ہدایت کرتا تھا۔ ان کی تدبیریں عجیب تھیں۔ خدا نے ان کی باتوں میں تاثیر بخشی تھی۔'' (دبستان نذیریہ: ۱/۳۲۳-۳۲۴، بحوالہ ماہنامہ ندیم (گیا) ''بہار نمبر'' ۱۹۴۰ء)

مولانا ابوالمجد عبدالصمد دانا پوری (متوفی ۱۳۱۸ھ) اپنے عہد کے جید متحرک اہل حدیث عالم اور مبلغ تھے، حافظ عبداللہ غازی پوری اور سید نذیر حسین دہلوی جیسے اساطین علم وفضل سے تلمذ حاصل تھا۔ توحید وسنت کی اشاعت وتبلیغ میں پیش پیش رہتے تھے۔ مولانا مسعود عالم ندوی آپ کے بارے میں لکھتے ہیں:

''اس کے ساتھ ساتھ وہ میاں صاحب کی درس گاہ سے ایک متاع بیش بہا اور بھی ہمراہ لائے تھے جو صرف اللہ کے برگزیدہ بندوں کو ملا کرتی ہے۔ یہ متاع گراں مایہ اتباع سنت، دعوت توحید اور خدمت دین کا غیر فانی ولولہ تھا جس نے ان کو مرتے دم تک سرشار اور مصروف علم رکھا۔ دلی سے واپسی کے بعد وہ جہاں رہے اور جس حال میں رہے اس فرض سے غافل نہیں ہوئے۔ ان کی خوش بیانی اور خطابت اس فرض کی ادائیگی میں بڑی مددگار ثابت ہوئی۔'' (دبستان نذیریہ: ۱/۲۸۷، بحوالہ ماہنامہ ''ندیم'' گیا: ستمبر ۱۹۴۰ء)

مولانا ندوی مزید لکھتے ہیں: ''موصوف نے اپنی تمام زندگی تبلیغ توحید میں صرف کی۔ ان کی وفات کو ۴۰ ربرس ہو چکے ہیں، پر آج تک اوگانواں کے سادات اور قاضی خاندان میں شرک و بدعت کا نام نہیں، اس حال میں کہ ہر طرف بدعت کی آندھیاں چھائی ہوئی ہیں، مگر ان کے یہاں نذر و نیاز کی رسمیں نہیں ہوتیں۔ اس لیے آج تک اوگانواں کے سادات وہابی کہے جاتے ہیں۔'' (ایضا: ۱/۲۹۳، بحوالہ سابقہ)

مولانا ابوعبدالرحمٰن محمد پنجابی (متوفی ۱۳۱۸ھ) سکھ خاندان سے تعلق رکھتے تھے، بہادر سنگھ نام تھا، حافظ عبدالمنان محدث وزیرآبادی کے ہاتھوں پر اسلام قبول کیا اور محمد نام رکھا گیا۔ قبول اسلام کے بعد مختلف مقامات پر اسلامی تعلیم حاصل کی۔ دہلی میں میاں صاحب کے آستانہ فضیلت پر بھی حاضری دی اور آپ سے حدیث کی کتابیں پڑھیں۔

قبول اسلام کے بعد سے ان کے گھر والے بار بار ان کو تلاش کر کے گھر لے آتے اور ان کو پرانے مذہب میں واپسی کے لیے قائل کرنا چاہتے مگر آپ کسی قیمت پر تیار نہ ہوئے۔ جب لوگ ان کو سمجھاتے تو وہ بدلائل ان کو قائل کرتے۔ آخر ان کے والد کے رویے میں بھی تبدیلی آئی اور سختی کرنا چھوڑ دیا۔

مختلف مقامات پر تعلیم وملازمت کے بعد بزرگوں نے ان کو مشورہ دیا کہ اب وہ خود اپنے وطن جائیں اور گھر والوں اور دوستوں کو پند ونصائح کریں۔ چنانچہ انہوں نے ان کی رائے پر عمل کیا اور بغیر اطلاع کے اپنے وطن فرید آباد پہنچے تو اہل دیہہ نے ان کا خیر مقدم کیا۔ مگر دوسرے ہی روز سب جمع ہو گئے اور انہوں نے ان کے والد (سردار ہیرا سنگھ) کا بائیکاٹ کر دیا اور یہ الزام لگایا کہ وہ بباطن مسلمان ہو گئے ہیں۔ اس حرکت سے قریب کے دیہات میں بہت چرچے ہوئے اور لوگ ان کو دیکھنے اور ملنے کے لیے دور دور سے آنے اور ان کے مواعظ حسنہ سے فیض یاب ہونے لگے۔

انہوں نے اچھی خاصی تبلیغ شروع کر دی۔مسائل دریافت کرنے والوں اور فتاوی حاصل کرنے والوں کا تانتا سا لگ گیا۔گھر والے اس سے بہت پریشان تھے کہ کیا کیا جائے۔وقت پر وہیں اذان دینا اور وہیں نماز پڑھنا کوئی بات ہی نہ تھی۔گھر والے ان کو بہادر سنگھ کہہ کر پکارتے تھے۔انھوں نے کہا کہ انھیں آئندہ صرف ''محمد'' کہہ کر پکارا کریں۔اسے ان سب نے اس شرط پر تسلیم کرلیا کہ وہ گھر پر نماز نہ پڑھا کریں بلکہ قصبے سے دور ادا کیا کریں، اس سے ان کی دل آزاری ہوتی ہے۔انھوں نے ان کی یہ شرط مان لی اور قصبے سے تھوڑے فاصلے پر ایک چاہ کے قریب ایک درخت کے نیچے قیام گاہ بنائی اور کافی عرصہ اسی حالت میں گزارا۔

(تفصیل کے لیے ملاحظہ ہو: دبستان حدیث، ص:۲۳۱-۲۳۶)

مولانا نور احمد محدث ڈیانوی (متوفی: ۱۳۱۸ھ) آپ مولانا شمس الحق عظیم آبادی کے حقیقی ماموں تھے، اور استاذ بھی تھے۔آپ کا شمار میاں صاحب کے طبقہ اول کے تلامذہ میں ہوتا ہے۔۱۲۹۷ھ میں آپ نے میاں صاحب کی خدمت میں حاضر ہوکر اخذ علم حدیث وتفسیر کی سعادت حاصل کی تھی۔

''مولانا نور احمد ڈیانوی کا شمار ان قابل فخر علماء میں ہوتا ہے جن کی ذات تادم مرگ رد بدعات میں بہت زیادہ ساعی اور اصلاح امت میں کوشاں رہی۔صوبہ بہار میں ممدوح کی ذات سے دعوت عمل بالحدیث کو بہت تقویت ملی۔'' (دبستان نذیریہ:۱/۱۳۳)

مولانا محمد زبیر ڈیانوی آپ کے اوصاف واطوار کا ذکر کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

''.....جمعہ وجماعت وقراءت قرآن کے نہایت پابند ہیں۔انکساری، عاجزی، حلم، تحمل، تواضع خلق میں بے نظیر ہیں۔اللہ تعالیٰ نے بے حد لوگوں کو آپ کے وعظ ونصائح سے ہدایت عطا کیا ہے۔آپ بہت ہی کم سخن وشیریں زبان ہیں اور آج تک کسی کی غیبت ان کی زبان سے سنی نہیں گئی ہے۔یہ ایک وصف مختص آپ ہی میں ہے۔'' (دبستان نذیریہ:۱/۱۳۴، بحوالہ: یادگار گوہری، ص:۲۶۱)

مولانا حافظ ابومحمد ابراہیم آروی (متوفی ۱۳۱۹ھ) مدرسہ احمدیہ آرہ کے بانی مشہور وممتاز عالم جن کی ہمہ جہت دینی خدمات ہیں۔میاں صاحب کے ارشد تلامذہ میں آپ کا شمار ہوتا ہے۔۱۲۸۱ھ میں میاں صاحب نے آپ کو سند اجازت عطا کی تھی۔

آپ کے سوانحی خاکے میں ''اصلاح امت کی سعی'' کا عنوان لگا کر تنزیل صدیقی لکھتے ہیں:

''مولانا کا دل قوم کے درد سے معمور اور جذبہ اصلاح امت سے سرشار تھا۔اس ضمن میں جو گراں قدر خدمات انجام دیں، اس کا ذکر کرتے ہوئے مولانا عبد المالک آروی لکھتے ہیں:

''حضرت مولانا ابراہیم صاحب مرحوم کی زندگی کا نصب العین ترویج سنت، استیصال بدعت، اشاعت دین اور نشر علم وادب تھا۔آپ نے مذہب اور معاشرت کے متعلق جو کوششیں کی ہیں وہ ہماری تاریخ اجتماعی کے اہم باب ہیں۔'' (بحوالہ ماہنامہ جامعہ، دہلی: اکتوبر ۱۹۳۴ء)

صدیقی صاحب آگے لکھتے ہیں:

''تکمیل تعلیم کے بعد مولانا نے اصلاح قوم وملت کے لیے فی الفور اپنی مساعی کا آغاز فرمایا۔وعظ وتذکیر کے ذریعے عوام الناس کے کردار وعمل کو کتاب وسنت کے مطابق ڈھالنے کی کوشش کی۔احیائے سنن مصطفوی کے لیے اپنی جدوجہد کا آغاز کرکے جذبۂ اتباع سنت کی داغ بیل ڈالنی چاہی....

مولانا پر اثر واعظ وناصح تھے۔شعائر دینی کی ترویج واشاعت اور بدعات ومحدثات کی تردید وبیخ کنی میں بہت زیادہ ساعی تھے۔مولانا کے وعظ سے ایک خلق کثیر راہ راست پر گامزن ہوگئی۔اللہ نے ان کی زبان کو سریع الاثر بنایا تھا۔جب وعظ کہتے تو لوگوں کو نہیں بلکہ قلوب کو متوجہ کرلیتے۔مولانا فضل حسین بہاری لکھتے ہیں:

''ان کی نماز اور ان کا وعظ ایسا پر اثر تھا کہ اب ان کو نہ صرف آنکھیں بلکہ دل ڈھونڈھتا ہے۔'' (بحوالہ الحیاۃ بعد المماۃ ص:۳۴۲)

علامہ سید سلیمان ندوی رقم طراز ہیں: ''وہ نہایت خوش گوار اور پردرد واعظ تھے، وعظ کہتے تو خود روتے اور دوسروں کو رلاتے۔'' (بحوالہ: حیات شبلی، ص:۳۸۲)

مولانا آروی رحمہ اللہ کی دعوتی مساعی کا ایک حصہ رد باطل بھی ہے۔آپ نے مختلف وسائل کے ذریعہ یہ کام انجام دیا۔مناظرہ بھی اسی کا ایک حصہ تھا۔''اہل تشیع اور قادیانیوں سے مناظرہ'' کا عنوان لگا کر صدیقی صاحب لکھتے ہیں:

''سعودی عرب کے شمالی اور مشرقی حصوں میں آج بھی اہل تشیع کی ایک نمایاں تعداد موجود ہے۔مولانا ابراہیم جب حجاز مقدس پہنچے تو خبر ملی کہ حجاز مقدس میں کچھ قادیانی عناصر سر اٹھانے کی کوشش کر رہے ہیں۔یہ تو ظاہر ہے کہ قادیانیت کا شجرۃ الزقوم علانیہ اپنے عقائد کے ساتھ برگ وبار نہیں لاسکتا تھا۔ایک گمراہ فرقے کی طرح تقیہ اور تبرا کی روش کے ساتھ ہی قادیانیت نے حجاز مقدس میں داخل ہونے کی کوشش کی ہوگی۔مولانا عبدالحمید رحمانی، شیخ محمد نصیف کے حوالے سے لکھتے ہیں:

''شیخ نے ایک مرتبہ فرمایا کہ علامہ آروی رحمہ اللہ نے مکہ کے مشہور مطوف جمل اللیل کے گھر میں دوبار مناظرہ بھی کیا۔ایک مرتبہ شیعوں سے اور ایک مرتبہ بعض قادیانیوں سے۔شیخ محمد نصیف رحمہ اللہ کے لیے مناظرہ نئی چیز تھی، اس لیے وہ اپنے چند احباب کے ساتھ جدہ سے مکہ خاص طور پر یہ مناظرے دیکھنے گئے تھے۔دونوں مناظروں میں فتح علامہ آروی رحمہ اللہ کی حلیف رہی۔'' (بحوالہ: مجموعہ مقالات مولانا عبدالحمید رحمانی:۲/۲۳)

آروی صاحب کی تصنیف ''طریق النجاۃ فی ترجمۃ الصحاح من المشکاۃ'' کے نئے ایڈیشن میں آپ کے سوانح نگار نے ''دعوتی خدمات'' بیان کرتے ہوئے لکھا ہے:

''مولانا ابومحمد ابراہیم آروی کا شمار برصغیر کے مشاہیر علمائے کرام میں ہوتا ہے۔آپ قوت تحریر وفصاحت تحریر میں یگانہ تھے۔آپ کی بدولت ہزاروں اللہ کے بندے صراط مستقیم پر گامزن ہوئے۔سارے ہندوستان میں ایک نئی روح پھونک دی۔تعلیم وتربیت کا ایسا سلسلہ جاری کیا کہ چھوٹے بچے مہذب وتعلیم یافتہ وبااخلاق نظر آنے

لگے۔(اہل حدیث امرتسر:۲۴؍۱۰؍۱۹۱۹ء) مولانا موصوف برصغیر کے مختلف شہروں میں جا جا کر تبلیغ اسلام کرتے، آپ نے پنجاب، اودھ، مدراس، بنگال، بمبئی اور دکن کے شہروں میں تبلیغ ووعظ کیا اور ہزاروں نہیں بلکہ لاکھوں انسانوں کو راہ راست پر لائے۔آپ کا وعظ ایسا پر اثر ہوتا کہ سامعین کے دلوں میں اللہ کا خوف اور اسلام کا رعب پیدا ہو جاتا تھا۔'' (بحوالہ:مجلّہ تعلیم الاسلام ماموں کانجن:۶؍۱۹۹۳ء)

(ملاحظہ ہو:مقدمہ طریق النجاۃ فی ترجمۃ الصحاح من المشکاۃ،ص:۳۱-۳۲)

مولانا سلامت اللہ جیراجپوری (متوفی ۱۳۲۲ھ) ضلع اعظم گڑھ کے موضع جیراج پور سے تعلق رکھنے والے نامور عالم دین ہیں۔مفتی محمد یوسف فرنگی محلی اور میاں نذیر حسین محدث دہلوی سے تلمذ ہے۔میاں صاحب ان سے بہت محبت کرتے تھے۔ میاں صاحب کی صحبت کے اثر سے توحید وسنت کا ایسا ولولہ دل میں پیدا ہوا کہ بعد فراغت تحصیل اسی کی اشاعت میں ہمہ تن مصروف ہو گئے۔ بنارس، جون پور، غازی پور، گونڈہ اور بالخصوص اعظم گڑھ میں ان کی ذات سے توحید وسنت کی بہت اشاعت ہوئی اور سیکڑوں مواضعات سے شرک وبدعت کو ناپید کر دیا۔

مناظرہ میں اپنے عہد کے امام تھے اور وعظ میں بے نظیر، اعظم گڑھ سے آج تک اس شان کا کوئی عالم ربانی نہیں اٹھا، اور نہ اعظم گڑھ کے ضلع کے مسلمانوں کے دلوں میں کسی عالم کا اتنا احترام تھا۔(نوشہروی)

آپ بے نظیر واعظ تھے اور نہایت فصاحت وسلاست کے ساتھ تقریر فرماتے تھے۔بھوپال میں قیام کے دوران ہر ہفتہ بھوپال کی جامع مسجد میں وعظ فرماتے تھے اور ہزارہا آدمیوں کا مجمع رہتا تھا۔

لوازمات علم کے ساتھ محاسن اخلاق کے بھی منبع تھے اور نہایت وجیہ، بہت سے ہندو آپ کی زیارت کے لیے پیاسے رہتے اور بعض بعض تو آپ کے حسن سیرت و صورت کی وجہ سے آپ کو دیوتا کہتے تھے۔

آپ کا حسن خلق، پاکیزہ زندگی، لطف وخوش بیانی، زہد وورع اور علم وتقوی یہ ایسی چیزیں تھیں کہ آپ کے پاس بیٹھنے والے بہت جلد ان اوصاف سے اثر پذیر ہو جاتے تھے اور باتیں اس قدر دلکش ہوتی تھیں کہ مسلمان تو مسلمان، سینکڑوں ہندو منازل طے کر کے آپ سے ملنے کے لیے آتے تھے۔

(اہل حدیث امرتسر: ۳۱؍جنوری ۱۹۱۹ء، تراجم علمائے حدیث ہند: ۳۵۲-۳۵۳، تذکرہ علمائے اعظم گڑھ:۱۴۴-۱۴۶)

مولانا حفیظ اللہ خان دہلوی (متوفی ۱۳۲۴ھ) شاہ اسحاق محدث دہلوی، مولانا عبدالخالق دہلوی، اور شیخ الکل دہلوی کے شاگرد رشید ہیں۔آپ کے تعارفی خاکے میں مولانا ابوسعید شرف الدین دہلوی لکھتے ہیں:

''آپ بڑے معرکہ کے واعظ تھے...آپ کا وعظ عالمانہ اور بڑا پرتاثیر تھا۔یہ معلوم ہوتا تھا کہ قران وحدیث کا دریا بہ رہا ہے، یا یوں کہیے کہ سمندر میں سے جواہرات نکال کر سامعین کو محظوظ کر رہے ہیں......

ہر دوشنبہ کو آپ کا وعظ ہوتا تھا، کثرت سے لوگ جمع ہوتے تھے، بڑا پر لطف نظارہ قابل دید تھا، دربار شاہی میں بھی آپ کی بہت عزت اور رسائی تھی، لال قلعہ سے ہمیشہ پالکی وغیرہ سواری آپ کے لیے آیا کرتی تھی، اور قلعہ کے اندر شاہی محلات میں آپ کا وعظ ہوتا تھا۔''(اہل حدیث امرتسر:۲۸؍فروری ۱۹۱۹ء)

نوشہروی صاحب لکھتے ہیں:''.....مگر وعظ کا مشغلہ زیادہ تھا اور اس فن میں فرد یگانہ تھے، زور بیان تھا کہ قرآن وحدیث کے چشمے ابل رہے ہیں.....''(تراجم علمائے حدیث ہند،ص:۱۷۱-۱۷۲)

مولانا محمد بشیر فاروقی سہسوانی (متوفی ۱۳۲۶ھ) ابتداء کچھ مدت تک راہ تقلید پر چلے پھر جلد ہی ادھر سے ہٹ کر جادۂ سنت پر گامزن ہوئے۔میاں صاحب کے علاوہ شیخ حسین عرب اور دیگر اکابر سے شرف تلمذ حاصل رہا۔

درس وتدریس اور تصنیف وتالیف کے ساتھ ہی دعوت وتبلیغ اور مباحثہ ومناظرہ کا سلسلہ جاری رکھے ہوئے تھے۔ایک عرصہ تک بھوپال میں اعلیٰ علمی مناصب پر فائز رہے۔مولانا ابویحییٰ امام خاں نوشہروی لکھتے ہیں:

''بھوپال کے زمانے میں حدیث وتفسیر کا درس جاری ہے اور مسائل مستفتی بہا پر مجتہدانہ انداز سے افتاء لکھے جاتے ہیں....

اس زمانے میں ہر دوشنبہ کو تاج محل میں آپ کا وعظ مقرر تھا جس میں سرکار عالیہ جملہ خواتین و بیگمات محل شریک ہوتیں۔ وعظ کی تاثیر اور انداز بیان کا یہ عالم تھا کہ آوازیں بلند ہونے لگتیں....

مولانا ابوالحسنات عبدالحی لکھنوی سے آپ کے علمی وتحریری مباحثے خوب چلتے تھے اور جواب اور جواب الجواب کا طویل سلسلہ چلتا تھا، لیکن جب کبھی آپ لکھنؤ تشریف لے جاتے علامہ لکھنوی ہی کے مہمان ہوتے اور آپ باصرار کئی روز تک آپ کو روکے رکھتے، آپ کا وعظ سنتے اور اس تمام اہتمام کو اپنے لیے سعادت سمجھتے.....'' (تراجم علمائے حدیث ہند،ص:۲۴۳-۲۴۸، مختصرا)

آپ کے شاگرد اور مصاحب مولانا عبدالباقی سہسوانی آپ کے بارے میں لکھتے ہیں:''ورع وتقوی وعبادت وشب بیداری بہ صدق اخلاص رکھتے تھے، رقت قلب وخشیت الٰہی کا اثر وعظ پر تاثیر سے ظاہر ہوتا تھا.....

دہلی میں آپ کے چشمہ فیض سے گروہ طلبہ بلکہ تمام شہر مستفید ہوتا رہا۔مختلف علوم وفنون کا درس دیتے اور ہر روز بعد نماز صبح مسجد چوک میں ترجمہ وتفسیر قرآن بالحدیث دو گھنٹے بیان فرماتے اور اہل شوق دور دور سے آ کر سنتے تھے...'' (حیات العلماء،ص:۷۴-۷۹، مختلف مقامات سے)

ایک مرتبہ مرزا غلام احمد قادیانی نے دہلی آ کر اپنی مسیحیت کا ڈھنڈورا پیٹا تو اس کی اطلاع بھوپال میں مولانا سہسوانی کو پہنچی، والیہ بھوپال نے باشندگان دہلی کی درخواست پر مرزا سے مناظرے کے لیے مولانا کو دہلی بھیجا۔موضوع مناظرہ حیات و ممات مسیح تھا۔مرزا صاحب تقریری مناظرے پر رضامند نہ ہوئے تو تحریری بحث

شروع ہوئی۔ مرزا صاحب نے پہلے تو حسب معمول تاویلات سے کام لیا لیکن جب مولانا کی گرفت مضبوط ہوئی اور انہوں نے حیات مسیح پر دلائل دینا شروع کیے تو مرزا صاحب یہ کہہ کر میدان چھوڑ گئے کہ ان کے خسر صاحب تشریف لا رہے ہیں، اس لیے ان کے استقبال کے لیے دہلی کے ریلوے اسٹیشن پر ان کا جانا ضروری ہے۔ (دبستان حدیث از مولانا محمد اسحاق بھٹی،ص: ۲۲۱)

مولانا شاہ عین الحق جعفری پھلواروی (متوفی ۱۳۳۳ھ)

آپ کا تعلق ایک خانقاہی اور متصوف خاندان سے تھا۔ اور پندرہ برس کی عمر میں آپ خانقاہ مجیبیہ کے سجادہ نشیں بنا دیے گئے تھے، مگر اپنے فطری رجحانات اور کتاب وسنت سے غیر معمولی تعلق کی بنا پر آپ نے مسند سجادگی ترک کردی۔

میاں صاحب کی خدمت میں ایک عرصہ گزارا، میاں صاحب آپ کی بڑی عزت کرتے تھے۔ آپ نے اپنا ایک رومال بھی شاہ صاحب کو دیا تھا جسے آپ بڑے احترام سے رکھتے تھے، کسی کو اس سے ہاتھ نہ پونچھنے دیتے تھے۔

شاہ صاحب کی دعوتی واصلاحی مساعی کے سلسلے میں جناب تنزیل صدیقی لکھتے ہیں: ''مولانا کے تگ وتاز حیات کی سب سے اہم مساعی شرک وبدعت کی سختی سے تردید اور بدعات ومحدثات سے اجتناب تھا۔'' (دبستان نذیریہ: ۱/۲۲۷)

سید حسن آرزو ندوی پھلواروی لکھتے ہیں:

''.....اللہ اور اس کے رسول ﷺ کی خوشنودی کے لیے پھلواری (کی سجادگی) کو چھوڑ کر ایک کوردہ دیہات میں رہنا پسند فرمایا اور اپنی پوری زندگی ابلاغ وتبلیغ رشد وہدایت امت میں صرف کردی۔'' (ایضا: ۱/۲۳۶)

سید حسن آرزو ندوی مزید لکھتے ہیں:

''قوم کی اصلاح کا ایک خاص جذبہ ان کے اندر تھا۔ مسلمانوں کی موجودہ پستی کا درد اپنے دل میں محسوس کرتے۔ وہ ایک خوش بیان واعظ تھے، ان کے وعظ کا ہر ٹکڑہ دل پر تیر ونشتر بن کر چبھ جاتا تھا۔ وہ اصلاح امت کے لیے بے چین ومضطرب نظر آتے۔ وہ حق کے مقابلے میں کسی سے مرعوب نہ ہوتے، وہ صداقت وایمان داری کے ہمالیہ تھے۔'' (۱/۲۴۲)

شاہ صاحب کے بھانجے مولانا شاہ محمد جعفر ندوی پھلواروی فرماتے ہیں:

''پھلواری کی گدی چھوڑتے وقت حضرت شاہ صاحب نے ایک خطبہ عربی زبان میں لکھ کر باہر والے املی کے درخت پر لٹکایا۔ یہ خطبہ بہت ہی بلیغ تھا، جس میں تمام اہل بدعت کو بہت زور سے للکارا گیا تھا اور اتباع سنت کی طرف دعوت دی گئی تھی۔'' (ایضا: ۱/۲۱۴)

مولانا کا وعظ بڑا سریع الاثر ہوا کرتا تھا۔ منقول ہے کہ جب مولانا حج کے لیے تشریف لے گئے تو ایک مقام پر ڈاکوؤں نے گھیر لیا اور سارا مال لوٹ لیا، مگر ایسی حالت میں، بجائے خوف زدہ ہونے کے مولانا نے ایسا وعظ کہا کہ ڈاکوؤں نے تلواریں توڑ دیں، تمام سامان واپس کردیا اور ہمیشہ کے لیے تائب ہوگئے۔

مولانا نے بے شمار تبلیغی دورے کیے، مختلف دینی جلسوں میں شرکت کی، چھپرہ اور اس کے اطراف میں مولانا کی تبلیغی مساعی کے نقوش بڑے گہرے اور نمایاں تھے۔ (بروایت تنزیل صدیقی، ۱/۲۴۲-۲۴۳)

ایک مرتبہ پٹنہ میں حکیم نظام الدین صاحب کے یہاں آپ کا خطاب ہوا۔ مولانا عبدالسلام صاحب مبارک پوری صاحب سیرۃ البخاری اس خطاب کی تفصیل بیان کرتے ہوئے رقم طراز ہیں:

''...مکان سامعین سے بھر گیا، بڑی کثرت سے لوگ شریک ہوئے۔ یوں تو جناب شاہ صاحب کے بیان میں عموما سحر بیانی ہوتی ہے، لیکن اس روز کا بیان ''إن من البيان لسحرا'' کا مصداق تھا۔ آیت کریمہ: ﴿يا أيها النبي إنا أرسلناك شاهدا ومبشرا ونذيرا، وداعيا إلى الله بإذنه وسراجا منيرا﴾ کا بیان تھا۔ ایسا جامع اور پر لطف وعام فہم ونکات سے مملو بیان تھا کہ اس کا مزا سامعین کے دل سے بھولنا ہی نہیں۔ سامعین میں ہر مذہب کے لوگ شامل تھے۔ اہل حدیث، حنفیہ، سادج، صاحبان تصوف وصاحبان وجد وشیعہ، سب ہی تھے۔ سب نے اپنا اپنا فائدہ حاصل کیا۔ سامعین میں ایک صاحب وجد صوفی بھی تھے جو اس قدر محظوظ ہوئے کہ چند اشعار شاہ صاحب کی مدح میں لکھے ...'' (دبستان نذیریہ: ۱/۲۴۷-۲۴۸، بحوالہ اہل حدیث امرتسر: ۳۰/مارچ ۱۹۱۹ء)

مولانا عبداللہ پنجابی گیلانی متوفی (۱۳۳۳ھ) اصلاً پنجاب سے تعلق تھا۔ تعلیم کی تکمیل کے بعد اپنے استاذ مولانا محمد احسن گیلانی کی جائے سکونت ''گیلان'' (بہار) کو اپنی مستقل اقامت کے لیے منتخب فرمایا۔ میاں صاحب اور عارف باللہ مولانا عبداللہ غزنوی سمیت اکابر علماء سے کسب فیض کیا۔ آپ کی تبلیغی جدوجہد کا تذکرہ کرتے ہوئے مولانا مناظر احسن گیلانی لکھتے ہیں:

''مولانا عبداللہ نے بہار کے اضلاع پٹنہ ومونگیر خصوصاً ضلع مونگیر میں جو کام انجام دیا وہ یادگار رہے گا۔ خدا جانے کتنے مسلمانوں کے گھر سے بت نکلوائے اور شراب وتاڑی سے لوگوں کو تائب کیا۔ آخر میں تو آپ کے دست حق پرست پر ضلع مونگیر کے ایک راجہ آف مرچا مسلمان بھی ہوگئے، جن کا خاندان جموی سب ڈویژن کے مسلمان رئیسوں میں بحمد اللہ اس وقت امتیاز رکھتا ہے۔'' (دبستان نذیریہ: ۱/۳۵۰، بحوالہ ہندوستان میں مسلمانوں کا نظام تعلیم وتربیت: ۱/۳۴۷)

تنزیل صدیقی لکھتے ہیں:

''مولانا عبداللہ نے طویل عمر پائی اور اپنی اس طویل زندگی کو دین حق کی خدمت کے لیے وقف رکھا۔ وہ عالی مرتبت واعظ اور مبلغ تھے۔ ان کے اخلاص اور ایثار نے لوگوں کے اذہان وقلوب کو بدل کر رکھ دیا۔ نام کے مسلمان کام کے مسلمان بن گئے.....'' (ایضا: ۱/۳۵۲)

مولانا ابوالحسنات عبدالغفور فارغ داناپوری (متوفی ۱۳۳۳ھ)

آپ اپنے عہد کے مشہور اہل حدیث عالم ومدرس، واعظ ومبلغ اور مصنف و

مترجم تھے۔ مناظروں کے ذریعہ بھی احقاق حق وابطال باطل کا فریضہ انجام دیتے تھے۔ میاں صاحب کے تلامذہ میں سے تھے۔

تنزیل صدیقی صاحب آپ کی دعوتی مساعی بیان کرتے ہوئے لکھتے ہیں:'' مولانا عبدالغفور اپنے عہد کے جید اور فعال عالم دین تھے۔ انہوں نے طرح طرح سے دین کی خدمت انجام دی۔ کثرت سے وعظ وتذکیر کرتے اور لوگوں کو بدعات ومحدثات سے مجتنب رہنے کی تلقین کرتے تھے۔ رد بدعت میں بہت زیادہ ساعی تھے۔''

'' مولانا اپنے دور کے ایک کامیاب مناظر بھی تھے، انہوں نے عیسائیت اور ہندو مت کی تردید میں کتابیں بھی تالیف کیں اور پادریوں اور پنڈتوں سے مناظرے بھی کیے۔ اس کے علاوہ مختلف فقہی مباحث میں بھی مولانا نے مختلف علماء سے مناظرے کیے۔ مذاہب اور ان کے مابین اختلافات پر ان کی گہری نظر تھی۔'' (دبستان نذیریہ:۱/۲۹۶)

مولانا الٰہی بخش بڑاکری بہاری (متوفی:۱۳۳۴ھ) بہار کے اکابر علماء میں آپ کا شمار ہوتا ہے، میاں صاحب کے ممتاز شاگردوں میں سے ہیں۔ متعدد تصنیفات چھوڑیں اور تلامذہ کی ایک فہرست ہے۔ لیکن خود ان کے شخصی حالات زیادہ نہیں ملتے۔

ان کی دعوت سے متعلق ان کے شاگرد مولانا ابوطاہر بہاری لکھتے ہیں:

''....مقلدانہ تقریر سے سخت نفرت تھی، حق گو ایسے تھے کہ مسائل دینیہ میں کسی کا لحاظ نہ فرماتے اور صاف صاف جو بات آپ کے نزدیک حق وثابت ہوتی بیان فرما دیتے۔ لومۃ لائم کا خوف یک دم نہ کرتے۔ خصوصاً اہل بہار کو آپ کی ذات بابرکات سے بہت فیض پہنچا، اشاعت سنت وتردید بدعت ہمیشہ کیا کرتے...''

'' آپ کی تصانیف کثیرہ ہیں، میرا خیال ہے کہ قریب پچاس رسالے ہوں گے، ان میں اکثر تردید بدعت ورسومات شرکیہ میں ہیں۔ آپ کی ذات بابرکات سے اہل بہار کو بہت کچھ فائدہ پہنچ رہا تھا۔ خصوصاً ان کے عقائد فاسدہ کی اصلاح ہوتی تھی ....'' (دبستان نذیریہ:۱/۳۵۷، ۳۶۳)

مولانا عبدالعزیز رحیم آبادی (متوفی ۱۳۳۶ھ)

آپ جماعت کی انتہائی مشہور اور جلیل القدر شخصیت ہیں۔ آپ کے علم وفضل، دولت وثروت اور سعی وجہد سے اسلام اور اہل اسلام کو فوائد لامتناہیہ حاصل ہوئے۔ آپ دو سال تک دہلی میں میاں صاحب سے اخذ واستفادہ کرتے رہے۔

وطن مالوف لوٹنے کے بعد آپ نے وعظ وارشاد اور تلقین واصلاح کا سلسلہ شروع کیا اور بہت جلد ایک کامیاب واعظ ومقرر کی حیثیت سے جانے جانے لگے۔ آپ کے پند ونصائح سے نہ صرف عوام بلکہ خواص بھی متاثر ہوتے تھے۔ جب مجلس دعوت وارشاد کو زینت دیتے تو بقول مولانا عطاء اللہ حنیف بھوجیانی ''وجلت منها القلوب وذرفت منها العيون'' (یعنی دل دہل جاتے اور آنکھیں بہنے لگتیں) کا سماں پیدا ہو جاتا۔

مشکل سے مشکل مضامین بھی آسان اور سہل انداز میں بیان فرما دیتے۔ علامہ ثناء اللہ امرتسری جب کبھی فاضل رحیم آبادی کی خطابت اور سحر بیانی کا تذکرہ فرماتے تو یہ شعر ضرور پڑھتے:

اثر لبھانے کا پیارے تیرے بیان میں ہے
کسی کی آنکھ میں جادو تیری زبان میں ہے

عربی کے نامور ادیب مولانا عبدالمجید حریری نے کسی موقع پر فرمایا تھا:'' جماعت اہل حدیث میں مولانا جیسا شعلہ بار اور جادو بیاں مقرر میں نے نہیں دیکھا۔''

۱۹۱۶ء میں آل انڈیا اہل حدیث کانفرنس منعقدہ بنارس میں اپنی پیرانہ سالی کے باوجود مولانا نے جو تقریر کی تھی اسے سن کر وہاں کے احناف بھی کہتے تھے کہ اس شخص کو اگر جماعت اہل حدیث کا ''امام غزالی'' کہا جائے تو بے جا نہ ہوگا۔ (دبستان نذیریہ:۱/۶۲۱-۶۲۲، بحوالہ ماہنامہ رفیق پٹنہ، علمائے بہار نمبر، جنوری فروری ۱۹۸۲ء)

نیپال میں فریضہ تبلیغ:- مولانا کے ایک ارادت مند حافظ نواب علی نے ایک مرتبہ درخواست کی کہ حضور نیپال کی حالت بہت خراب ہے، خصوصاً اس کے ایک گاؤں ''بندر جھولا'' میں شرک وبدعت کا بہت زور ہے۔ مسلمان ہندوانہ رسوم ورواج کے زیر اثر زندگی گزار رہے ہیں اور بظاہر ایک موحد اور مشرک میں کوئی فرق نہیں۔ یہ سن کر مولانا سفر کے لیے فوراً تیار ہو گئے، کچھ زاد راہ لیا اور سفر کے لیے نکل پڑے۔ بیل گاڑی کی سواری تھی اور دور کا سفر درپیش تھا، ہمراہی بھوک سے پریشان ہو گئے۔ مولانا کے پاس جو کچھ تھا ساتھیوں کے سامنے پیش کر دیا اور خود بھوکے رہے۔ راستے میں کہیں کھانے کے لیے چنا تک میسر نہیں تھا۔ اس تکلیف کو دیکھ کر حافظ نواب صاحب روتے تھے، مولانا دلاسا دیتے اور بار بار یہی فرماتے کہ یہ کچھ بھی نہیں، صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کی تکالیف ومصائب کو یاد کرو تو یہ گویا عیش ہی ہے۔

بالآخر مولانا منزل مقصود پر پہنچے، مسلمانوں کی حالت کا معاینہ کیا اور انتہائی غمزدہ ہو گئے، بے اختیار آنکھ سے آنسو نکل پڑے۔ مسلمانوں کے نام بھی ہندوانہ اور ان کی ہیئت بھی مشرکانہ تھی۔ مولانا نے وہاں ان کے ساتھ ایک عرصہ گزارا، انہیں اسلام کی صحیح تعلیمات سے آگاہ کیا۔ عقائد واعمال میں اصلاح کی کوشش کی۔ مولانا کی کوششیں برگ وبار لائیں۔ بستی کے لوگ نام کے نہیں کام کے مسلمان بنے۔ مسجد تعمیر کی گئی اور پنج وقت نمازوں کو قائم کیا گیا۔'' (دبستان نذیریہ:۱/۶۲۴ بحوالہ: مولانا عبد العزیز رحیم آبادی: حیات اور خدمات، ص ۱۶۸)

مولانا عبدالرشید جھکاوی (متوفی ۱۳۳۸ھ) آپ صاحب دیوان ''گلشن ہدایت'' مولانا عبدالکریم مسلم کے صاحب زادے ہیں۔ نواب صدیق حسن خاں اور سید نذیر حسین دہلوی جیسے اکابر علماء کے سامنے زانوئے تلمذ تہ کیے ہوئے ہیں۔

'' آپ دعوت وارشاد کے مرد میدان تھے۔ تبلیغ واشاعت دین ہی ان کی زندگی کا مقصد تھا۔ اکثر وہ دور دراز اور کوردہ دیہاتوں میں تبلیغ کی غرض سے جایا کرتے تھے۔ فن مناظرہ کے ماہر تھے۔ اپنی زندگی میں کئی مناظرے کیے اور کامیاب رہے۔ ایک زمانہ تھا جب انگریزی حکومت کے زیر اثر عیسائی مشنریز سرگرمی سے تبلیغ عیسائیت میں مصروف عمل تھیں .... بہار کے ضلع موتیہاری کا ایک موضع بتیا بھی ان مشنریز کا

ہدف تھا۔ یہاں علماء کی کمی تھی، کوئی جواب دینے والا نہیں تھا، عیسائی پادری تبلیغی جلسے منعقد کرتے اور اسلام وقرآن پر شدید اعتراضات کرتے....آپ چند شاگردوں کے ساتھ بتیا تشریف لے گئے۔ پادری عبدالحق جوالا سنگھ سے مناظرہ ہوا۔ عیسائی پادری کو شکست ہوئی اور وہ لاجواب ہو کر دہلی فرار ہو گیا۔ وہاں اس وقت مولانا کے صاحب زادے مولانا ابوسعید زیر تعلیم تھے۔ انہوں نے پادری عبدالحق کی خبر لی۔ پادری صاحب نے وہاں سے بھی نکل جانے میں عافیت سمجھی اور لاہور چلے گئے۔

مولانا نے سناتن دھرم کے عالموں اور صوفیوں سے بھی مناظرے کیے۔ بتیا ہی میں ایک مناظرہ احناف سے کیا جس میں آمین بالجہر، فاتحہ خلف الامام اور رفع الیدین کے مباحث شامل مناظرہ تھے، اس مناظرے کی روداد مولانا نے ''جنگ وجدال بتیا'' کے عنوان سے لکھی۔'' (دبستان نذیریہ: ۱/۵۵۷-۵۵۸)

مولانا ابوسعید جھکاوی (متوفی ۱۳۷۴ھ) آپ مولانا عبدالرشید جھکاوی کے صاحب زادے اور صاحب دیوان گلشن ہدایت کے پوتے ہیں۔ مولانا عبدالوہاب صدری اور میاں سید نذیر حسین دہلوی وغیرہم سے اخذ واستفادہ کے بعد میدان عمل میں قدم رکھا۔

آپ بہار کے بہت بڑے داعی ومبلغ تھے۔ آپ کی تبلیغی مساعی کا دائرہ بہت وسیع ہے، اپنی پوری زندگی انہوں نے تبلیغ رشد وہدایت میں بسر کی۔ میدان مناظرہ میں بھی آپ کو کمال حاصل تھا۔ مختلف دور دراز مقامات پر آپ مناظرے کے لیے تشریف لے گئے۔ پاکستان میں لاہور اور کراچی، بنگلہ دیش میں ڈھاکہ اور رنگ پور، مغربی بنگال میں صید پور، دیناج پور اور مرشد آباد میں آپ کے مناظرے ہوئے۔ بعض فروعی مسائل میں اپنے ہم مسلک علماء سے آپ کے مباحثے ہوئے جن میں مولانا عبدالعزیز رحیم آبادی بھی شامل ہیں۔ ایک مناظرہ حافظ عبداللہ صادق پوری سے عشر کے مسئلے پر ہوا۔ مولانا کا موقف تھا کہ عشر زکاۃ میں سے نہیں ہے۔ (دبستان نذیریہ: ۱/۵۶۶-۵۶۷)

میاں صاحب کے شاگردوں کی دعوتی خدمات پر مشتمل ان مثالوں سے اندازہ لگایا جا سکتا ہے کہ آپ کے فیض یافتگان کی اس جماعت نے انسانیت کی فلاح وبہبود، رشد وہدایت اور اعلائے کلمۃ اللہ کے لیے کتنی جدوجہد کی، کتنی قربانیاں دیں، اپنے عیش وآرام کو تج کر اور تمام طرح کے مصائب وآلام کو برداشت کر کے توحید وسنت کا علم بلند کیا اور لوگوں کو کفر وشرک اور بدعات وخرافات کے دلدل سے نکال کر شاہ راہ سنت پر لا کھڑا کیا۔

حافظ صلاح الدین یوسف رحمہ اللہ نے ان پاک طینت نفوس کے بارے میں بجا طور پر لکھا ہے کہ: ''...میاں صاحب رحمہ اللہ کے اسی فیض اور ان کے سرچشمۂ علم سے فیض یافتگان کے فیوضِ بابرکات کا نتیجہ ہے کہ پاک وہند کا چپہ چپہ، گوشہ گوشہ ''قال اللہ وقال الرسول'' کی صدائے دل نواز سے گونج رہا ہے اور قرآن وحدیث کی عطر بیز ہواؤں سے مہک رہا ہے۔'' (دبستان نذیریہ: تعارف کتاب)

رب ذوالجلال ان خادمان دین کی مساعی کو شرف قبول بخشے اور ان کے رفع درجات کا ذریعہ بنائے، ساتھ ہی ان کی خدمات کو میاں صاحب کے لیے باعث اجر وثواب بنائے۔ آمین۔ ☆☆

(بقیہ صفحہ ۱۷ کا)

پڑ گیا وہ حرام میں پڑ گیا، جیسے چرواہا چراگاہ کے ارد گرد (بکریاں) چراتا ہے، قریب ہے وہ اس (چراگاہ) میں چرنے لگیں، دیکھو! ہر بادشاہ کی چراگاہ ہے، دھیان رکھا! اللہ کی چراگاہ اس کی حرام کردہ چیزیں ہیں۔ سنو! جس میں ایک ٹکڑا ہے، اگر ٹھیک رہا تو سارا جسم ٹھیک رہا اور اگر وہ بگڑ گیا تو سارا جسم بگڑ گیا۔ سنو! وہ دل ہے۔''

۳۔ رسوائی، خسارہ اور قیامت کے عذاب کا ڈر: ضروری ہے کہ بندے ایک دن حساب وکتاب، جزا وسزا کے لیے رب العلمین کے حضور کھڑے ہوں گے، اس دن ظالم سے مظلوم کا بدلہ دلوایا جائے گا۔ حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: جس نے اپنے کسی بھائی پر ظلم کیا ہو تو اسے چاہیے کہ اس سے (اس دنیا میں) معاف کرا لے۔ اس لیے کہ آخرت میں روپے پیسے نہیں ہوں گے۔ اس سے پہلے (معاف کرا لے) کہ اس کے بھائی کے لیے اس کی نیکیوں میں سے حق دلایا جائے گا اور اگر اس کے پاس نیکیاں نہ ہوں گی تو اس (مظلوم) بھائی کی برائیاں اس پر ڈال دی جائیں گی۔ (بخاری) حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ ہی سے مروی ہے کہ اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: کیا تم جانتے ہو کہ مفلس کون ہے؟ صحابہ نے کہا: ہمارے نزدیک مفلس وہ شخص ہے جس کے پاس نہ درہم ہو، نہ کوئی ساز وسامان۔ آپ نے فرمایا: میری امت کا مفلس وہ شخص ہے جو قیامت کے دن نماز، روزہ اور زکاۃ لے کر آئے گا اور اس طرح آئے گا کہ (دنیا میں) اس نے اس کو گالی دی ہوگی، اس پر بہتان لگایا ہوگا، اس کا مال کھایا ہوگا، اس کا خون بہایا ہوگا اور اس کو مارا ہوگا، تو اس کی نیکیوں میں سے اس کو بھی دیا جائے گا اور اس کو بھی دیا جائے گا اور اگر اس پر جو ذمہ ہے اس کی ادائیگی سے پہلے اس کی ساری نیکیاں ختم ہو جائیں گی ت ان کے گناہوں کو لے کر اس پر ڈالا جائے گا۔ پھر اس کو جہنم میں پھینک دیا جائے گا۔ (مسلم)

اللہ کے بندو! اللہ سے ڈرو اور حرام کی بجائے حلال سے کام چلاؤ اور ظلم وزیادتی نیز دیگر گناہوں سے توبہ کرو اور جس طرح اللہ تعالیٰ نے تم احسانات کی بارش کر رکھی ہے تم بھی احسان کا راستہ اختیار کرو۔ جس طرح اللہ تعالیٰ نے تمہارے لیے آسانیاں پیدا کر رکھی ہیں تم بھی بندگان الٰہی پر آسانیوں کا راستہ اپناؤ، اللہ تعالیٰ سے اپنے گناہوں کی بخشش طلب کرو۔ قرآن کریم کی زبان میں حضرت نوح علیہ السلام نے اپنی قوم کے لوگوں سے کہا تھا: فَقُلْتُ اسْتَغْفِرُوا رَبَّكُمْ إِنَّهُ كَانَ غَفَّاراً يُرْسِلِ السَّمَاءَ عَلَيْكُم مِّدْرَاراً وَيُمْدِدْكُم بِأَمْوَالٍ وَبَنِينَ وَيَجْعَل لَّكُمْ جَنَّاتٍ وَيَجْعَل لَّكُمْ أَنْهَاراً (نوح: ۱۰-۱۲) ترجمہ: ''میں نے کہا کہ اپنے رب سے اپنے گناہ بخشواؤ (اور معافی مانگو) وہ یقیناً بڑا بخشنے والا ہے۔ وہ تم پر آسمان کو خوب برستا ہوا چھوڑ دے گا۔ اور تمہیں خوب پے درپے مال اور اولاد میں ترقی دے گا اور تمہیں باغات دے گا ار تمہارے لیے نہریں نکال دے گا''

دوسری جگہ ارشاد باری تعالیٰ ہے: وَتُوبُوا إِلَى اللَّهِ جَمِيعاً أَيُّهَا الْمُؤْمِنُونَ لَعَلَّكُمْ تُفْلِحُونَ (النور: ۳۱) ترجمہ: ''اے مسلمانو! تم سب کے سب اللہ کی جناب میں توبہ کرو تا کہ نجات پاؤ۔'' ☆☆

ضلعی جمعیت اہل حدیث مالدہ کے نائب امیر معروف عالم دین مولانا ظہیر احمد ندوی صاحب کے والد محترم کا انتقال پرملال:

یہ خبر نہایت رنج وافسوس کے ساتھ سنی گئی کہ ضلعی جمعیت اہل حدیث مالدہ مغربی بنگال کے نائب امیر معروف عالم دین مولانا ظہیرالدین ندوی صاحب کے والدمحترم جناب بشیر احمد صاحب کا بتاریخ 15 / جون 2026ء بوقت تقریبا ساڑھے چار بجے شام بعمر تقریبا 90 /سال طویل علالت کے بعد انتقال ہوگیا۔انا للہ وانا الیہ راجعون۔

مرحوم نہایت خلیق وملنسار، غریب پرور، پابند صوم وصلوٰۃ تھے۔انہوں نے بچوں کی دینی تعلیم وتربیت کی اور مدرسہ کے لیے ایک قطعہ اراضی بھی وقف کی۔ جوان کے لیے صدقہ جاریہ ہے۔ان شاءاللہ۔

پسماندگان میں ایک لڑکے مولانا ظہیرالدین ندوی صاحب اورایک لڑکی ہیں۔ ان کے جنازہ کی نماز اگلے دن نو بجے صبح آبائی وطن سندر پور، گاجول، مالدہ، مغربی بنگال میں ادا کی گئی۔

اللہ تعالیٰ ان کی مغفرت فرمائے، جنت الفردوس کا مکین بنائے ،پسماندگان ومتعلقین کوصبر وسلوان عطا فرمائے۔آمین۔(شریک غم ودعا گو:اصغرعلی امام مہدی سلفی،امیر مرکزی جمعیت اہل حدیث ہند)

عالم اسلام کی مقتدر علمی ودعوتی شخصیت ڈاکٹر عبد الرحمن بن عبد الجبار فریوائی صاحب حفظہ اللہ کو صدمہ:

یہ خبر نہایت رنج وافسوس کے ساتھ سنی گئی کہ مرکزی جمعیت اہل حدیث ہند کے سرپرست، ہندستان کی اہم اورمعروف دانشگاہ جامعہ ابو ہریرہ الاسلامیہ، لال گوپال گنج، پریاگ راج، یوپی کے مؤسس ورئیس اور عالم اسلام کی مقتدر علمی ودعوتی شخصیت جناب پروفیسر ڈاکٹر عبدالرحمٰن بن عبدالجبار فریوائی صاحب حفظہ اللہ کی ہمشیرہ کے داماد اور جامعہ ابوہریرہ الاسلامیہ لال گوپال گنج کے قدیم ملازم محمد اکرم صاحب کا گزشتہ شب تقریبا 1 / بجے بعمر تقریبا 65 /سال ہارٹ اٹیک کے سبب انتقال ہوگیا۔اناللہ وانا الیہ راجعون۔

مرحوم نہایت خلیق وملنسار، متشرع، اسلامی وضع قطع کے حامل اور کتاب وسنت کے متمسک انسان تھے اور جامعہ کی مختلف خدمات کے علاوہ دینی ودعوتی کاموں میں رواں دواں رہتے تھے۔انہوں نے اپنے بچوں کی دینی تعلیم وتربیت کی ان میں سے ایک عالم دین بھی ہیں اور جامعہ ابو ہریرہ کے فارغین میں سے ہیں۔مرحوم اپنے خانوادے کے تمام افراد کی طرح مجھ ناچیز سے تعلق خاطر رکھتے تھے۔

پسماندگان میں اہلیہ، پانچ بیٹے، ایک لڑکی اور متعدد پوتے پوتیاں اورنواسے نواسیاں ہیں۔ ان کے جنازہ کی نماز بتاریخ 17 / جون 2026ء بعد نماز عصر(ساڑھے چار بجے شام) آبائی وطن پریوانارائن پور میں ادا کی گئی۔

اللہ تعالیٰ ان کی مغفرت فرمائے، ان کی خدمات کوقبول کرے، جنت الفردوس کا مکین بنائے، پسماندگان ومتعلقین کوصبر وسلوان عطا فرمائے اور جامعہ کوان کانعم البدل عطا کرے۔آمین۔(شریک غم ودعا گو: اصغرعلی امام مہدی سلفی، امیر مرکزی جمعیت اہل حدیث ہند)

جامعہ حفصہ للبنات ارریہ بہار کے ڈائریکٹر ڈاکٹر امان اللہ مدنی صاحب کے والد محترم کا انتقال پُرملال:

یہ خبر نہایت رنج وافسوس کے ساتھ سنی گئی کہ جامعہ حفصہ للبنات بابوان بسمتیہ ارریہ بہار کے ڈائریکٹر ڈاکٹر امان اللہ مدنی صاحب کے والدمحترم اور ڈاکٹر علاء الدین سلفی صاحب کے چچا جناب الحاج محمد اسماعیل صاحب کا گزشتہ شب تقریبا گیارہ بجے بعمر تقریبا 80 /سال انتقال ہوگیا۔اناللہ وانا الیہ راجعون

مرحوم خلیق وملنسار، علماء کے قدردان اورمہمان نواز تھے۔انہوں نے اپنے بچوں کی اعلی دینی تعلیم وتربیت کی۔ جوان کے لیے صدقہ جاریہ ہیں۔ پسماندگان میں ،چار بیٹے، تین لڑکیاں اورمتعدد پوتے پوتیاں اورنواسے نواسیاں ہیں۔

اللہ تعالیٰ ان کی مغفرت فرمائے ، جنت الفردوس کا مکین بنائے، پسماندگان ومتعلقین کوصبر وسلوان عطا فرمائے۔آمین۔(دعا گو: اصغرعلی امام مہدی سلفی، امیر مرکزی جمعیت اہل حدیث ہند)

ہندوستان کی معروف دینی دانشگاہ جامعہ اسلامیہ سنابل نئی دھلی کے استاد معروف عالم دین مولانا مطیع اللہ مدنی صاحب کی والدہ ماجدہ کا انتقال پُرملال:

یہ خبر نہایت رنج وافسوس کے ساتھ سنی گئی کہ ہندوستان کی معروف دینی دانشگاہ جامعہ اسلامیہ سنابل نئی دہلی کے استادمعروف عالم دین مولانا مطیع اللہ مدنی صاحب اور مولانا ضمیر احمد مدنی اور مولانا صفی احمد مدنی صاحبان کی والدہ ماجدہ کا گزشتہ شب